

جملہ حقوق محفوظ



تاریخ زبان اردو اردو سے قلم

جسٹس
زبان اردو اور اسکے نظم و نشر کی مفصل تاریخ
اور عہدِ قلم کی ترقیوں کا تذکرہ - ابتدائی زمانے سے ہنشاہ اورنگ زیب
کے عہدِ خرمک شعرا اور مصنفین کے صحیح حالات تحریر میں

جسٹس
شمس الموحسن کیم شمس الدین صاحب قادی
میراثیالک - ہٹاریکل اینڈ نیو سٹائلٹ سوسائٹیز

نامہ علوم آثار قدیمہ
نئے عربی - فارسی - اردو - انگریزی - فرانسیسی - جرمنی وغیرہ
زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کر کے تالیف کیا - اور

باہت ماہ و خاکسار و فانی تاریخ

تاج پریس پبلیکیشنز

بازارِ انگریزی

پیشہ ورانہ تعلیم و ترقی

W P 111

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U32881

W P 111

بجانب فضیلت آب

مَوْلَانَاوَلَدِیْ عَلَمِ الْبَحْرِ وَصَاحِبِ الْبَحْرِ

عکرمی خرمین قی اردو اوزنگ آباد

نویں کتاب شکر شمار زبانشاہین کے یادگار

خاکسار

شمس الدین قادری
حکیم

مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۱۲	عربوں کی حکومتوں کی اسلامی آبادی	۱۶	۱ سنکرت کا انحطاط اور پراکرا راج	۱
۱۲	آل بنگلیہ کے زمانہ سچا کی اسلامی آبادی	۱۷	۱ مشہور پراکرت	۲
۱۳	سلاویوں کے زمانہ میں سلاوی آبادی	۱۸	۲ سوراسنی یا برج بھاشا	۳
	ہندوستان کا اسلامی تمدن جو	۱۹	۳ اردو کا منبع و مخبر برج بھاشا ہے	۴
	عربی اور ہندی تمدن کے اختلاط	۲۰	۲ لفظ اردو کی تحقیق	۵
۱۳	بنیاد ہے		۶ ریختہ کی تحقیق	۶
	اردو زبان جو اسلامی اور ہندی	۲۰	۶ ہندوستان پر سلاویوں کے حملے	۷
۱۴	زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے		۶ سندھ کی فتح	۸
	اردو کی ابتدا کے متعلق مورخین	۲۱	۷ سندھ میں عربوں کی حکومت	۹
۱۴	سلف کے بیانات		۸ غزنویں کی سلطنت اسلامیہ کا قیام	۱۰
	اردو کی ابتدا کے متعلق مشہور	۲۲	۸ سلطان محمود کے فتوحات	۱۱
۱۶	یورپ کے تصدیقات		۱۲ آل بنگلیہ کا لامبور کو دار الحکومت قرار دینا	۱۲
	آل بنگلیہ کے زمانہ میں اردو کی بنیاد	۲۳	۱۳ آل شہنشاہ کا ظہور اور محمد بن ساجم کے فتوحات	۱۳
۱۷	کا قیام ہونا		۱۴ ہندوستان حاصل رہا و بنگال کا	۱۴
۲۱	شیخ فرید الدین گنج شکر کے اردو	۲۴	۱۰ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونا	۱۵
۲۲	حضرت خواجہ بندہ نواز کا اردو	۲۵	۱۵ دکن سے راس کمار تک مسلمانوں کے	
۲۲	قطب عالم گجراتی کے اقوال	۲۶	۱۱ فتوحات	

۲۹	ایہنیہ کا درس	۲۳	شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات	۲۷
۳۰	امیر خسرو اور اردو زبان	۲۴	سید شمس بجا پوری کے اقوال	۲۸
۳۱	امیر خسرو کا فارسی آئینہ کلام	۲۵	چند کوی کی راج راسا	۲۹
۳۲	امیر خسرو کے چتیاں	۲۶	کبیر کے دوہے	۳۰
۳۳	حالت باری	۲۷	نویں صدی پہلے اردو کی سمعت	۳۱
	نویں درویشی صلی کے فارسی لغات	۲۸	اردو ہندوستان سے باہر	۳۲
۳۳	اور ان میں اردو مترادفات		حرم کعبہ میں بزبان اردو علوم	۳۳

سلطنت

۴۱	سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھا	۳۶	۳۶	سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالمی نڈان	۳۹
۴۱	عہد سلطنت بہمنیہ کے دکنی مصنف	۳۷	۳۷	دکن کی نبوت اور سلطنت بہمنیہ کا مقام	۴۰
۴۲	شیخ عابدین بن گنج اعلم کے دکنی تصنیفات	۳۸	۳۷	سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ	۴۱
۴۳	حضرت خواجہ بندنواز اور انکی تصنیفات	۳۹	۳۸	سلطنت بہمنیہ کی وسعت	۴۲
۴۴	رسالہ مفت اسرار	۵۰	۳۸	سلطنت بہمنیہ کے شاغل علی	۴۳
۴۴	نشاط العشق کا دکنی ترجمہ	۵۱	۳۹	انقراض سلطنت بہمنیہ	۴۴
				سلطنت بہمنیہ کے بانی اور انکی زبان	۴۵

سلطنت شامیہ

۴۵	لکھ آباد اور اہل دار کی سلطنت ان کا مختصر بیان	۴۵	سلطان قلی قتب شاہ بانی سلطنت شامیہ	۵۲
----	--	----	------------------------------------	----

۵۳	سلطان قلی باقی سلطنت قطب شاہ کا	۴۰	۴۸	۵۵	تانا شاہ بھٹی بان اردو کا شاعر تھا
	ہمارے دکن میں آنا	۴۱	۴۸	۵۵	عبد قطب شاہ کے اردو کہنے والے شعرا
۵۴	سلطنت قطب شاہیہ کا قیام	۴۲	۴۸	۵۶	ملا عواصی
۵۵	سلطان قطب شاہیہ کا علی مذاق	۴۳	۴۹	۵۷	ملا قطبی
	شہر گولکنڈہ	۴۴	۴۹	۵۹	ابن شاطی
۵۶	سلطان قطب شاہیہ کا اردو شاعر	۴۵	۵۲	۶۰	جنیدی
۵۷	کلیات سلطنت قطب شاہیہ	۴۶	۵۲	۶۱	طبعی
۵۸	سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری	۴۷	۵۲	۶۲	نوری
	اور مولوی عبد الحق صبا کی رائے	۴۸	۵۲	۶۳	فائز
۵۹	سلطان محمد اور سلطان عبداللہ	۴۹	۵۲	۶۴	شاہی
	کا اردو کلام	۵۰	۵۵	۶۴	مرزا

سلطنت عادل شاہیہ

۷۱	یوسف عادل شاہ کی اصلیت	۷۵	۷۷	۷۷	نصرتی
۷۲	یوسف عادل شاہ کا سندھ و ہندوستان	۷۶	۷۷	۷۷	امین
۷۳	سلطنت عادل شاہیہ کا قیام	۷۷	۷۷	۷۸	سیوا
۷۴	سلطان عادل شاہ کی علی مذاق	۷۸	۷۷	۷۹	مومن
۷۵	سلطان عادل شاہ کی زبان اردو	۷۹	۷۷	۷۹	کاشمی
۷۶	شہزادے بیجا پور	۸۰	۷۷	۸۲	مرزا
	رسمی	۸۱	۷۷	۸۲	

شعرائے دکن مغلوں کے عہد حکومت میں

۸۸	۸۶	۸۳	دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط	۸۳
۸۹	۸۶	۸۳	امین ولی دکنی	۸۴
۹۲	۸۸	۸۴	عاجز	۸۴
۹۴	۸۹	۸۶	بھری	۸۵
			شعراے اورنگ آباد	

۱۰۱	۹۲	۹۲	ولی (اورنگ آبادی)	۹۰
		۱۰۰	داؤد	۹۱
			دہلی میں زبان اردو	

۱۰۵	۹	۱۰۲	عہد عالمگیر اور لغات اردو کی ترویج	۹۳
		۱۰۳	فارسی شعرا اور زبان اردو	۹۴

نثر اردو

۱۰۹	۱۰۱	۱۰۴	دکن میں نثر نویسی کی ابتدا	۹۶
۱۱۱	۱۰۲	۱۰۴	شیخ عبدالحق گنجی الفہم کے رسالے	۹۷
۱۱۱	۱۰۳	۱۰۶	علاج العاشقین	۹۸
	۱۰۴	۱۰۸	میزان حبیب عشاق	۹۹
۱۱۲		۱۰۸	سیرت النبی	۱۰۰

۱۱۳			ضمیمہ اول	۱۰۵
۱۱۵			ضمیمہ دوم	۱۰۶
۱۱۸			ضمیمہ سوم	۱۰۷

الف

۸۹۱۵

۱۱۳

(۳۰)

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رفتم بہ کلیسائے ترسا و یہود
از شوق جلالِ توبہ بہ بیت خانہ شدم
ترسا و یہود و جملہ راروئے توبہ
تسبیحِ بتاں زمرئہ ذکر توبہ

شعرا اردو کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی ہجری کے اخیر ایام سے شروع ہوئی ہے اور اُس وقت سے زمانہ حال تک شعرا اُسی تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن ان سب کی ابتدا اُس عہد سے ہوئی ہے جب کہ ہندوستان کے دارالسلطنت (دہلی) میں تختہ گوئی کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے جو شعرا سرزمینِ وکن میں گزرے ہیں ان کے حالات نظر انداز کر دیے ہیں۔ اس فروگزاشت کا نتیجہ ہوا کہ قدیم شعرا کے حالات ناپید ہو گئے اور تاریخِ اردو کا دورِ قدیم پردہِ خفایں ستور ہو گیا۔

آج سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جب اردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اس ضمن میں اردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرضِ بحث میں آ گئی۔ حامیانِ اردو نے ان مباحث پر جو مضامین شائع کئے انہیں دورِ قدیم بالکل مفسود نظر آیا۔ اس گہمی کو محسوس کر کے ہم نے ایک مضمون "قدیم شعرا کے آراء و" کے عنوان سے لکھا اور اس میں اُن اُمیدو شعرا کے حالات اور ان کی زبان کے نمونے بوج کے جو دہلی میں ریختہ کے رواج پانے سے پہلے سرزمینِ وکن میں گریسے تھے۔

لے ہمارے مضمون "۱۹۱۵ء میں لسانِ العصر لکھنؤ" کے تین نمبروں میں شائع ہوا ہے جس کے ۲۲ صفحات میں اور اس کی تقریباً موزون فی تقیم سے کہ قدر متنازع ہے پہلے حصہ میں عادتاً ہی شعرا کا ذکر ہے اسکے تحت میں بعض نثری اور کائناتی اور ہنسوا کے حالات علی الترتیب ہیں کے بعد دو حصہ میں نثری شعرا کا ذکر ہے لکھا ہے کہ اس پہلے ملاحظہ فرمائی کہ حالِ ہر حصہ میں عاجز و جبری اور دلی کے حالات ہیں اس طرح اس کے بعد ان کا ذکر ہے

ہمارے مضمون اگر حکم نہایت مختصر اور نامکمل تھا مگر ہر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ لکھنؤ سے دیکھا گیا اور مولانا حالیؒ و علامہ شبلیؒ جیسے شاعر علمائے اُسے اپنی توجہ کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بلند ہو گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا ہمتہ کر لیا اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا سرمایہ اپنی فراہم ہو گیا لیکن بعض دوسرے امور اور اتفاقی موانعات کے باعث اسکی ترتیب و تدوین نہیں ہو سکی اور اسی طرح ایک مدت گزر گئی یہاں تک کہ ۱۲۲۵ھ ختم ہونے کے قریب ہو گیا ڈسمبر میں مدیر تاج نے اس مضمون کو مکمل کرنے کی فرمائش کی۔ ہم نے کام شروع کر دیا۔ اسلی شانہ میں دارالمصنفین سے کل رعنائیاں لیا گیا اور اس میں ایک مستقل دو شہر اے وطن کا ہماری نظر سے گزرا لیکن ہم نے اسے نہایت ناقص اور نامکمل پایا جسکے باعث مضمون مکمل کرنے کی مزید تحریک ہو گئی اور ہمارے پاس جس قدر سرمایہ جمع تھا اسے اور اوراق ذیل میں منضبط کر دیا اور یہی اس مضمون کا ثلثہ مضمون سے چوگنا ہو گیا۔ مگر ہمارے رائے میں اب بھی یہ مضمون مکمل نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایسے بہت سے شعرا اور نثر نگاروں کے حالات دانستہ قلم انداز کر دیے ہیں جنکا عہد ملاح تصدیق ہے یا جن کی تصنیفات میں ناقص دستیاب ہوئی ہیں اگر کچھ عرصہ ہم اس بارے میں سعی کرتے اور مضمون جلد ختم کرنے کے لئے مدیر تاج کا اصرار نہ ہوتا تو یہ مضمون کئی سو صفحات پر پہل جاتا۔

ہم نے جب مضمون لکھنا شروع کیا تھا تو اس وقت ہماری یہ رائے تھی کہ لفظ اردو و لکڑ گاہ کے معنی میں شہنشاہ یا پھر کے ساتھ ہندوستان میں آیا۔ اور اس کے ایک عرصہ بعد زبان اردو کے لئے مستقل ہوا۔ ہماری اس رائے کا مانعہ یوں اور بریل کی لغات تھی لیکن بعد اس رائے کی غلطی ثابت ہو گئی۔ علامہ والدین جوینی کی تاریخ جہانگشاہی اور رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگ کینر خان اور اسکی اولاد

ملاقطی کے حالات میں فارسی نسخۃ المصابیح کا دوسرا شعر نقل کر رہے ہیں۔
غلطی ہو گئی ہے۔ اور دوسرا مصرعہ چوٹ گیا ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

عظمیٰ بدادہ عرش
یوں برقعہ لے چار صد

ولی و کہنی کے حال میں میرا مرقا گاہ کی تصنیف میں انجمن کا نام علی مرتضیٰ انجمن

خواجه بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تاریخ وصال فرماتے ہیں کہ

ان غلطیوں کے علاوہ بعض جگہ طباعت و کتابت کی چند اور غلطیاں بھی ہیں جنہاں انہیں ہم نے
انہیں ناظرین بروقت مطالعہ بلا وقت درست کر سکے ہیں۔

۱	مضمون ہذا ص ۵۰	۵۱	مضمون ہذا ص ۸۹
۲	ماثر عالمگیری ص ۲۶۶	۵۲	۵۳۵ " " سطر ۱۳
۳	مضمون ہذا ص ۲۴۲	۵۳	۲۲ " " سطر ۴
۴	مضمون ہذا ص ۵۸۵		

(۱)

۹
تاریخ زبان اردو

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیح سے صدیوں پہلے انحطاط ہو گیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروج ہو گئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔

پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہوا ہے۔ اس کا سراغ لگانا دشوار ہے لیکن یہ امر یقیناً ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیح سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہو گیا تھا بدھ اور جین مت کی مذہبی زبان پراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا ہے تو اس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ اشوک کے کتبے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے۔

۱۰
تاریخ زبان اردو

پروفیسر ویسیر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھیں لیکن ان میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

۱۔ بدھ اور جین مذہب کے بانی مہا بیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیح سے چھ سو سال پہلے گزرے ہیں۔
۲۔ سکندر کبیر نے ۳۲۷ء اور ۳۲۵ء ق م کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔
۳۔ راجہ اشوک نے ۳۲۵ء ق م سے ۳۲۳ء ق م تک حکومت کی ہے۔

(۱) پالی - یہ زبان مگدہ میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔ اس میں پدہ مذہب کا مذہبی ٹیڑھ تھا جسکے باعث یہ لوگ برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت - اسکی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جس میں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھے گئے تھے۔ یہ زبان جینا مرٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری - یہ زبان مہاراشٹر (جسے آجکل مرہٹھواری کہتے ہیں) مروج تھی اور آریہ و پارہین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

(۴) سوراسینی - یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل مہتمرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدہ میں اس کا رواج تھا پراکرت آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تیسرے بنی تھیں۔ ان کے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویدین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں۔ مثلاً تملنگی، کنڑی، تامل، ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور توراتی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسنی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے۔ یہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے مالہ تک

سوراسنی کا مرکز برج تھا

بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہو گیا تھا ورا روچی نے جو راجہ وکرادیتہ کا درباری عالم تھا اس کے گرامر (صرف نحو) کو مدون کیا تھا۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی زمانہ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ زبان اردو کا منبع و منبع برج بھاشا ہے اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں ورا روچی نے انہیں اپنی گرامر میں مجتبہ بیان کیا ہے۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اہل ہیئت بدل گئی جسکے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور شکرگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اردو کا منبع
برج بھاشا ہے

شکرگاہ کی
جگہ

یک شتمہ بہ ایوان تو غور شید منور

یک خیمہ در اردوئے تو گردون معلیٰ

اے بازار تار تار بازار خان کے شکرگاہ کو اردو کہا کرتے تھے چنگیز خان

شاعر وکرادیتہ اوجین کا مشہور راجہ ہے۔ مشہور شاعر کا لیداسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیح کے چہن سال پہلے اس نے لاختر چک لکھا ہے۔
شاعر ورا روچی کی گرامر پر اکرت پرکاش کے نام سے شکرگاہ نے ۱۹۶۸ء میں مقام لندن چھپوائی ہے۔
شاعر دیکھو پر اکرت پرکاش فضل اول فقرہ ہم فضل دوم فقرہ چہل و چارم۔
شاعر جامع التواریخ جلد دوم ص ۲۱۵ء حاشیہ۔

اُردو کا لفظ شکرگاہ کے معنی میں شہنشاہ یا برادر ۹۲۱ء تا ۹۳۷ء کیساتھ ہندوستان میں آیا جو سلطان مغلیہ کے درباری موزن اس لفظ کو شاہی شکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ شکرگاہوں میں جو سکے مضروب ہوئے ہیں ان پر دارالضرب کا نام اُردو مسکو کہتے ہیں

۱۔ خواجہ نیر دوسرے مطلقاً اپنے شہنشاہ پر حکومت کیجیے میں انہی تین شاخیں ہیں (۱) خاندان باتوگیا
ان کا دارالحکومت سرائے دیباے والا پر آباد تھا۔ (۲) خاندان تاتوگیا میں ان کی حکومت تھی اور خاندان اسکات تھا
(۳) خاندان شیلیا ان کو انیک بھی کہتے ہیں۔ ابتداً وہ غیر میں ان کی حکومت تھی۔ پھر خیرا اور بجا میں اگرچہ حکومت
میں گئے تھے۔ شرف الدین علی نیروی کے ظفر نامہ پر شاہج کے زمانہ میں جو مقدمہ لکھا گیا اس میں ان خاندانوں کے مفصل حال
ہیں اور عیاش الدین خوند نے تہسب الیسر جلد سوم میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

۲۔ بابر نے ۱۵۱۹ء میں ہندوستان کو فتح کیا ہے اور فتح و ملی و اگر کہ کے موقع لئے اطراف و کافہ میں رونما
کئے تھے اس میں پنے لشکر کو اردوے نصرت شہار کے عقب سے موسوم کیا ہے۔ دیکھو بابر نامہ مطبع قازان ص ۱۵۱

۳۔ طغات اکری ص ۱۸۵ ص ۲۱۶ ص ۲۱۷ آفاق نامہ جاکری ص ۲۷

[illegible]

اکبر ۱۶۱۲ء کے زمانے سے شاہی لشکر اور دارالحکومت کے لشکر گاہ کو اردو معلوم کیا کرتے تھے۔ اور اس کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا۔

اردو عام طور پر خلیہ اردو یعنی لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبان اردو یعنی اہل لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان حذف ہو گیا۔ اور عام طور پر اردو کہنے لگے۔
اردو کا دوسرا نام زبان ریختہ ہے۔ قدامت نظم اردو کو ریختہ کہا کرتے تھے۔ ولی دکنی کے ایک شعیر آیا ہے۔

یہ ریختہ ولی کا جاکر او سے سنا دو

رکتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

نعتیں گری پڑی چر کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے

خونم چو شود ریختہ مستی کند آن چشم

از ریختہ ذوق است و طرب در سیرت

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں مخلوط ہو۔ قدامت اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ استفادہ عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبان ریختہ ہو گیا۔

لے ملقات اکبری ص ۲۱۹ و ۲۲۰

۱۔ گلستان سخن ص ۶۵ پیدائش اللہ خان نے دریائے لطافت میں کہا کہ خوش بیانیان آباد اللہ خان
شاہ جهان آباد متفق شدہ از زبان مانے مستند الفاظ دلچسپ جدا نودہ و دہ بیسے عبارات و الفاظ تفسیر کا ریزہ
زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر ہم را نیند و بہ اردو و موسوم نہ نمند۔

۲۔ تحقیق زبان ریختہ ص ۲

۳۔ ہمارے علم دوم ص ۱۴

(۳)

امیر المومنین حضرت عمر الفاروقؓ ۳۰ھ کے زمانے سے مسلمانوں نے
 ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ ۳۱ھ میں عثمان غنیؓ نے
 جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے
 جنگی جہاز ممبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ
 بعد انہیں نے دواور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے۔ جن کے افسران کے درجہ
 معینہ اور حکم تھے۔ معینہ نے قبل پر اور حکم نے بعد میں بہرچ پر
 یورش کی۔ لیکن ان کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ ۳۲ھ میں جب ایران
 فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہو گئے
 ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے کمران و سیستان
 و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ ۳۵ھ کے زمانہ میں
 مفتوح ہوئے اسکے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۳۷ھ میں
 امیر مہلب بن ابی صفہ نے کابل کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کیا اور
 تاخت و تاز کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام
 ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیرال تک سندھ پر
 متعدد حملے کئے۔ اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کر لیا۔ خلیفہ
 عبدالملک بن مروان ۴۰ھ کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا

ہندوستان پر مسلمانوں کے
 حملوں کی تاریخ

۴۰ھ

گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں شکست کی مہم نہایت کامیاب ہوئی۔ اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے مل کو فتح کیا۔ پھر قوتحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد بن قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ ۹۶ء تک بہمن آباد۔ الہور اور قلعان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد محمد قاسم مقرر ہو کر دوبارہ خلافت میں چلا آیا۔ اور اسکے بجائے قاسم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

فارسی اور انگریزی مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر مندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق بالله (۱۰۳۱ء) کے زمانہ تک دوبارہ خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ انکا مستقر حکومت تھا جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے ان کے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و کران تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران سلاطین شہانہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے۔

۳۳

مست
ہندو کش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت
قائم ہو گئی تھی۔ لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے
اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۲۲۲ھ میں الپ تگین
نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنویں میں ایک مستقل حکومت کا بنیاد
رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قائم ہوئی جو ہندوستان و خراسان کے درمیان
واقع تھا اور یہاں سے باسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ اس وقت
پنجاب میں راجہ جے پال حکمران تھا۔ اسکی حکومت نیلاب (دریائے سندھ)
کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی سبک تگین (۲۷۲ھ - ۲۸۱ھ)
جو الپ تگین کا جانشین تھا۔ راجہ کیساتھ وادئی لمعان میں دو لڑائیاں کیں
جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آ گیا۔

سبک تگین نے بعد سلطان محمود (۳۸۵ھ - ۳۹۷ھ) برسر حکومت ہوا اس کے
زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اس نے
۳۹۲ھ سے ۴۰۲ھ تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ اور نیلاب کو عبور
کر کے جنوب میں کوہستان ہندوستان چل کر اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا آگیا

۱۔ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۸۵ ہٹری ۱۸۵

۲۔ ان مملوک کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ منتخب التاریخ اور انفسٹن ہٹری میں تحریر ہیں۔

اسکی فتوحات کے انتہائی مقام شریک کا لبحر اور مغرب میں سومنات تھے پہلا مقام پنجس (دریا گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ محمود نے سنہ ۱۰۱۸ء میں قنوج و متہرا کو فتح کیا۔ سنہ ۱۰۲۰ء میں کالبحر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا۔ سنہ ۱۰۲۱ء میں گجرات دارالسلطنہ نہروالہ میں کوفت کر کے سومنات کو تاخت و تاراج کیا۔ محمود کے بعد اسکی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پر انکا قبضہ بدستور قائم رہا۔

اس زمانہ میں آل شنب کو عروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ ۱۰۲۵ء سنہ ۱۰۲۵ء کے زمانہ میں غزنین پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت آل سلگیلین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکل کر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اسکے بعد اسکے دو جانشین خسرو شاہ ۱۰۳۵ء اور خسرو ملک ۱۰۳۷ء کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے۔ سنہ ۱۰۳۷ء میں محمد بن سام جب القاب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کر لیا۔ آل سلگیلین کا خاتمہ ہو گیا اور پنجاب آل شنب کے تصرف میں آ گیا۔ اسکے بعد محمد بن سام نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑائے شروع کئے اس وقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ تو مراہٹوں میں

۱۔ طبقات اکبری ص ۱۷۰ فرشتہ جلد اول ص ۱۹

۲۔ طبقات اکبری ص ۱۷۰ فرشتہ جلد اول ص ۲۱

۳۔ طبقات اکبری ص ۱۷۰ فرشتہ جلد اول ص ۲۲

۴۔ طبقات اکبری ص ۱۷۰

چوہان اجمیر میں راہپور قنوج میں باگپے گجرات میں۔ دہلی کا راجہ
ناگ دیو جب لاولد مر گیا تو اسکا فواسے رائے پتہ پورا جو اجمیر کا راجہ تھا دہلی
میں برسر حکومت ہوا۔ اور اسطرح پر تو مرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان
میں منتقل ہو گئی ہے۔

محمدر بن سام نے قنوج لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتہ پورا
نے ٹراوری نہیں سکوپا کر دیا۔ لیکن اس کے دو سال بعد ششم میں بمقام تھانیسٹر
اس نے قنوج حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف
میں آ گئے۔ اسکے بعد ششم میں قنوج مفتوح ہوا۔ اس اثنا میں او دھ اور بہنا
بھی سخر ہو گئے۔ غرض کہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ
تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ سولہ میں دریائے نیلاب
کے پاس ملاحہ اسماعیل نے محمدر بن سام کو شہید کر دیا۔ اسکے بعد اسکی
سلطنت ان کے غلاموں میں تقسیم ہو گئی تاج الدین یلدوز غزنوی میں
ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایب دہلی میں بہاؤ الدین
بیانہ میں خود مختار ہو گئے طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایب
کے قبضہ میں آ گیا جبکہ باعث دہلی کی عداوتی جوہیں سندھ تک پھیل گئی اسی
زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہو گیا۔ التمش کے
زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو ان کے
علاقے بھی سلطنت دہلی میں شامل ہو گئے۔

۱۔ الفہرست میں ۱۰۰۰

۲۔ دہلی لاہور میں ۸۱۰

دکن حیدر علی شاہ
ملا نواز کے دوست

۱۱۹ فرشته جلد اولیٰ - انجمن ترقی دینی

(۴۰)

جیسا کہ پہلے اوپر بیان کیا ہے سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں گئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے گئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلا دیا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا سندھ میں کم و بیش پانچ سو سال اچھی حکومت رہی ہے اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل آئے اگر سندھ میں سکونت اختیار کر لی اور یہاں کے باشندوں کیساتھ استفادہ راجھا پڑا یا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہو گیا۔ ابن حوقل جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے مہندوسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں سندھ میں عربی مہندی بولی جاتی ہے لہذا ان میں لسانی اور فارسی کا رواج تھا آن سگنگین اور سلاطین شہنشاہیہ کے زمانہ میں جو مسلمان مہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتدا میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے پسلا رہا کرتے تھے ابو الحسن حسلی بن عثمان الجوری (المتوفی ۷۵۰ھ) و فخر الزادہ شیخ فخر الدین رنجانی جوش میر شاہج صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے مسعود سعد سلمان۔ ابو الفتح رونی ابو جعفر القاسمی

۱۔ ابن حوقل نے مسند کے لئے کتب اسلام میں سفر کیا ہے اور ۶۰۰ھ میں اپنا سفر نامہ دونوں کیا ہے جس کا نام المسالک الممالک ہے اور اسے تصحیح ۸۰۰ھ میں چاپ کر شائع کیا ہے ۱۲

اور حمید الدین سعید جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے
مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری
کیا تھا جو صدیوں قائم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بمبائے بہار
لکھنؤ وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے۔ اور جس قدر مقامات
فتح ہوئے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرین اور ان کے مرید و متبعین
بھی سکونت اختیار کی۔ اس طرح سو سال کے اندر اندر سیلاب سے بنگال
تک اور لاہور سے کراشا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے۔ اور ان کے ساتھ
انکا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی۔ چنانچہ ابن بطوطہ جو
ساتویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے
اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور
اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور
زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا
مصر و ایران میں پڑا تھا۔ ان ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی
زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو نابود کر دیا۔ اسکے خلاف ہندوستان

سلطان ابن بطوطہ نے ساتویں صدی کا مشہور سیاح ہے سلاطین محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں اور
در سال بیان ہو کر ملتا ہے میں میں کو چلا گیا۔ اس کا سفر نامہ فیچر ترجمہ کیا ہے دی فرماری نے سلاطین کے
مقام پر یہ جہاں ہے۔

سلطان بن سام کے زمانہ میں
اسلامی آبادی

ہندوستان کا اسلامی تمدن جو زبان
ہندی تمدن کا اختلا ہے ہے

میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا۔ لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ فتح شدہ کے تمدن میں ضم ہو جاتا۔ اسلئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسری زبان کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آتی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے۔ لیکن ہندوؤں کی زبان بھی انکی عام زبان نہ ہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اردو کے نام سے مشہور ہے۔

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن انکی فارسی خاص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اس میں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سوراسنی) اگر حکہ و بابہ کی زبان تھی۔ لیکن پانچویں صدی ہجری تک اسکو بے حد وسعت ہو گئی تھی۔ بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشوونما دینی مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جن کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

برج بھاشا کا یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اسکی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

۱۵ دو آجہ۔ اس علامت کو کہتے ہیں جو گنگا جمن کے مابین واقع ہے۔

سید محمد خان نے آثار الصنادید (تالیف ۱۱۰۲ھ) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ :-

”اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بہا شاہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا مسلمانوں کی گفتگو فارسی زبان میں ہوتی تھی اور ہندی و اپنی گفتگو بہا شاہ میں کیا کرتے تھے۔ یہ سب بھی امر خسرو نے خلقی بادشاہوں ہی کے زمانہ سے یعنی حضرت فتح کا تیرہویں صدی میں فارسی زبان میں جہا شاہ کے لفظ ماننے شروع کئے تھے اور کچھ مسلمان اور گزنیوں اور پشتونوں کی زبان میں کسی شخص جس میں اکثر الفاظ بہا شاہ کے تھے۔ غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بہا شاہ میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو۔ مگر ایسا نہ تھا جسکے جہا زبان کہا جائے۔

جب کہ شاہ جہان بادشاہ نے ۱۰۲۵ھ میں سلطان حسین شاہ شاہ جہا آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا جمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بہا شاہ بہت مل گئی اور بعض فارسی لفظوں اور اکثر بہا شاہ کے لفظوں میں سب کثرت استعمال کئے تھے۔ تبدل ہو گئی تھی کہ شاہ جہاں اور دوسرے حکام میں ان دونوں زبانوں کو ترکیب نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا بہ کثرت استعمال سے لفظ زبان کا مذکور ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آرائش بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ ۱۱۰۲ھ میں سلطان حسین شاہ کی وفات ہو گئی اور شاہ جہاں کے عہد میں ہر کوئی شروع ہوا۔

میرامن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۱۰۱ھ) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ :-

”جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے عہد قمر تعدادی اور فیض پائی اس خاندان لائیاں کی سن کر حضوریں اکبر جمع ہوئے لیکن ہر ملک کا گوہر یا ادب بولی جہاں ہی اکبر ہوئے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔“

مولوی عبدالغفور خاں نساج نے راسخ تحقیق زبانِ نحتہ (تالیف ۱۱۰۵ھ) میں لکھا ہے کہ :-

۱۔ آثار الصنادید - طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۲ء - حصہ دوم جلد دوم - ۱۵
۲۔ باغ و بہار - طبع لندن ۱۱۰۲ھ - ج ۱ - ۱۵

”زبان اردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں قدیم الایام سے جاہل نہا ہند
مروج تھی۔ ہر شخص اسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب سولہویں صدی میں سلطان محمد الدین
مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر پڑائی کی اہل ہند کو شکست
دی۔ اس کے چوتھوں راکا کام تمام کیا۔ تمام ملک ہند۔ سلطان غوری کے قبضہ اختیار
آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملا گیا جب محمد شاہ بہلول شاہ
سیراگرہ نے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر یہ ایک تازہ ظلم کیا کہ ان کو غلط
کہنے نہ دیا۔ دیو گھر معروف بدولت آباد میں مسجد آیا۔ اور یہ قبل انہی سلطنت کے زوال
کے زمانہ لوگوں کو دہلی میں لایا۔ اس نقل و حرکت کے باعث تہمت سے الفاظ کہتی تھیں
زبان دہلی میں ملے۔ یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ گد راج۔ لیکن
شاہ جہاں بادشاہ نے یہ شکستیں شاہ جہاں آباد کو آباد کیا تو شاہ جہاں آباد
میں اطراف و جوار عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے
قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میل فرق ہونے لگا۔ زبان اردو کی ترقی
شروع ہوئی۔“

مرحوم سر سید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (شاہ ۱۶۰۹ء) کے
زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا جب شاہ جہاں آباد ہوا تو وہاں
شاہی شکر اور اردو کے محلی میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اردو زبان
پیدا ہوئی۔ اس کے برخلاف میرامن دہلوی کہتے ہیں کہ (۱۶۱۲ء) کے
زمانہ میں اسکی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا نیشاخ کا بیان ہے
کہ محمد بیگ امیر (۱۶۱۹ء) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۱۶۲۵ء) کے
کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یورپین مستشرقین کی تصویر
کو بیان کرتے ہیں۔

میرسین نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عربیہ

تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا۔ مسلمان
دہت تک فصیح ہندی بولنے کے قادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی
الفاظ کو نہیں ملا یا تھا۔ اکبر (۹۶۳ھ سنہ ۱۵۵۶ء) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈر
نے طریق مالگاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے
اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اس طرح پر
ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر حبان گل گریٹ نے ہندوستان
فیلالوجی میں ایک سلمان مونچ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور شانہ شہ
نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قائم ہوئی ہے۔
مشہور مستشرق کو لبروک کی رائے میں پندرہویں صدی عیسوی (نویں صدی
ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس ترقی پا کر ایک جدید
زبان کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

ڈاکٹر ونیلٹر نکا (جسے جرمن میں دیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے)
بیان ہے کہ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان
پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر
کے باعث سولہویں صدی (گیارہویں صدی) تک ایک نئی زبان پیدا ہو گئی ہے۔

(۱) BEAMES-A COMPARATIVE GRAMMAR OF THE MODERN ARYAN
LANGUAGES OF INDIA PP. 15

(۲) DR GILCHRIST HINDOSTANI PHILOLOGY

(۳) COLEBROOKE-ASIATIC RESEARCHES. VOL. VII. P.P 220

(۴) DR WINTERNITZ- GESCHICHTE DER INDISCHEN LITTERATUR PP. 139

کی بنیاد پر تاریخ زبان اردو

اور جو اقبا سادات دج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی اس سرگزشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اسکی وجہ سے ان کی تصدیحات نہایت ناقص اور متضاد ہو گئی ہیں۔

تاریخ زبان اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اسکی بنیاد پر اردو زبان کی عہد بہ عہد ترقیاں مطالعہ کی جائیں اور اسکے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں نیا پڑتا ہے کہ آل سلگیلین کے زمانہ میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطان محمود کے مقبوضات وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراء النہر، خوارزم، خراسان، اور فارس کا بہت بڑا حصہ اسکی سلطنت میں شامل تھا۔ لیکن مسعود بن محمود (۳۲۲ھ) کے زمانہ میں آل سلجوق نے تمام ملک چھین لیا۔ اور مرو وین مسعود (۳۲۲ھ) کے جب برسر حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سلگیلین کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے۔ مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانہ ہو گئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل حکومت اختیار کر لی۔ ان نو واردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کر لیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ ان زبان ہو گئے۔ چنانچہ

مسعود سعد سلمان اور ابو عبد اللہ اسکتی جو سلطان
ابراہیم (۹۲۲ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر
ہندوستان میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دو اور بھی
مرتب کئے تھے۔

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا
نام بھرائے تھا۔ سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اس نے بہت سے کارنامے
نمایاں انجام دیے تھے۔ سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا
تھا اس کے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور
سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ ۹۲۶ھ میں جب احمد نیا لنگین نے ہندوستان
میں بغاوت کی تو اس کی رافقت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک اڑی
میں جب ناتھ مارا گیا تو اس کی جگہ تلک مامور ہوا اور اس نے نہایت عمدگی سے
نیا لنگین کی بغاوت فرو کی۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سلنگین کے زمانہ میں ہندوؤں کی
مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ میل جول اور تبادلہ خیالات
کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ سے ایک
جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے اس کی

۱۔ عوفی جلد ۱ ص ۱۲۱۔ ۲۔ ہفت اقصیٰ جلد ۱ ص ۱۲۱

۳۔ لطائف الہندی ص ۱۲۱

۴۔ لطائف الہندی ص ۱۲۱

۵۔ الفہرست جلد ۱ ص ۱۲۱

ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

سلطان محمد بن تغلق (۱۳۹۰ء تا ۱۴۱۲ء) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جوہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا بیہونوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ سہرا پاس کوئی مستقل نمونہ موجود نہیں ہے لیکن صوفیائے کرام کے مخطوطات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں ان کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور ان سے اس بات کا نہ توڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اس میں عہد پر یہ عہد کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

(۵)

شیخ فیروز الدین گنج شکر ساتویں صدی کے شاہیر شاہین سے ہیں۔
 خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۱۲۱۷ء میں اپنے انتقال
 فرمایا ہے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بدر الدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے
 ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما
 کسی نے دریافت کیا کہ جسم میں عقل کا کونسا مقام ہے اسکے جواب میں آپ نے
 ارشاد فرمایا "سچ سر کے" اور یہ آید کریمہ پڑھی و لیاں لاقتال نصر بھا
 للناس وما یبقاھا الا العاقلون۔
 شیخ سراج الدین جو انجی سراج کے لقب سے مشہور ہیں ان کا انتقال ۱۲۱۷ء میں
 کے مرید اور خواجہ فیض الدین جراح دہلی کے خلیفہ تھے ۱۲۱۷ء میں اپنے انتقال ہوئے ان کا انتقال
 کی وجہ سے جو جو شاہین واقع ہوئی تو آپ بنگالہ سے دہلی میں تشریف لائے اور
 خواجہ فیض الدین جراح دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا خواجہ صاحب بنگالہ
 جانے کی ترغیب دی لیکن انجی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے شیخ نکلا والا
 قل موجود ہیں اور خلائق کا بھان انجی صاحب سے میرے ذہن میں بھانے سے کیا

۱۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۱۱۷ شہزادہ دارا شکوہ نے ۱۲۱۷ء (یعنی ۱۱۱۱ھ) میں

۲۔ اسرار الدلیا صفحہ ۱۱۷

۳۔ ملفوظات صفحہ ۱۱۷

۴۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۱۱۷

۵۔ خزینۃ الایضاح جلد اول صفحہ ۱۱۷

نتیجہ ہے اسپر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں شاد فرمایا کہ ”تم اور سونے ملے“
سیخ اخئی سلج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور فوراً بنگالہ کی جانب
روانہ ہوئے۔

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز دکن کے مشہور بزرگ ہیں۔
میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ آپ کے ایک مرید عبداللہ بن عبد القل
چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور میں
اپنے مرشد کا یہ قول نقل کیا ہے۔

”بھوکوں ہوسوں خدا کیچھ اپڑتیا، خدا کوں اپڑنے کی استوار دہوئے“
سید برہان عبداللہ بن محمد قطب لاقطاب سید جلال الدین دہلوی
کے پوتے تھے ششمیہ گجرات اگر میں میں سکونت پذیر ہوئے
سلطان احمد (۱۱۳۸ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو میں
سے احمد آباد میں تشریف لائے۔ آپ کے فرزند کا نام سلج الدین سید محمد
بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالم اور فرزند کو شاہ عالم
کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے ششمیہ میں
قطب عالم نے اور ششمیہ میں شاہ عالم نے انتقال فرمایا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالم انا زہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو
تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اس وقت آپ نے فرمایا ”کیا ہے لوہا ہریا لکڑی“ یا پھر

۱۹۹۹ء تاریخ زشتہ طہر دوم
۲۰۰۰ء آئین گوری طہر سوم
۱۹۹۹ء اخبار انوار منہ
۲۰۰۰ء تحفہ انوار

شاہ بارک چشتی سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے مرید و خلیفہ
 تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز
 خواب میں شیخ سلج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور
 تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہ نامزد کریں گے۔ شیخ سلج الدینؒ
 جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے دیبچے میں شاہ عالم
 کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور کیا
 شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالمؒ سے بیان کیا تو آپ نے
 ارشاد فرمایا ”چشتیوں نے پکائی اور اس کے بخاریوں نے کھائی“
 شیخ وجہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخ
 عظام سے میں تلمذ کیا۔ بیان میں پیدا ہوئے ملا احمد والدین طبرمی
 کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ مرتبہ
 ۹۹۸ھ کو اپنے انتقال فرمایا ہے۔ تفسیر حدیث فقہ کلام منطق فلسفہ
 بیان و معانی وغیرہ میں مسبقہ مشہور و متداول کتابیں ہیں ان سب پر
 آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ آپ کی اور بھی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ
 اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سجدۃ المرجان میں لکھے ہیں
 آپ کے مریدوں نے بکھرے تھے اُن کے نام سے آپ کے ہندی ملفوظات جمع
 کیے ہیں اور کچھ چند مقامات پر ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔
 (۱) کسی گفت کہ میاں شیخ افضل اللہ ترکہ رس کردند۔

لحد شجرۃ اکرام شاہ و شاہ
 لحد شجرۃ الزلیخ کہ ۱۹۱۱ء سجدۃ المرجان — انباء لاخیر شاہ میں آپ کا شجرہ و مقامات کتب

”فرمودند“ جب ترقی کر میں گے۔ تب آپس میں کہیں گے
(۲) عزیزے الٹاس کر دکھ اگر اجازت شود اربعین شیعہ۔
”فرمودند“ اس میں ہو کیا خوب ہے۔ اس دنیا میں کہ دل خدا
سوں مشغول ہووے“
(۳) شخصے عرض کر دکھ عارف کرا گویند۔

”فرمودند“ عارف اُسے کہوں جو خدا سوں بھربا ہووے“
(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے۔ جو حرام لقمہ کھاوے
یا حرام فصل کرے تو بھیج پاوے۔ دو بجے بار بھی پاوے۔
بھی پاوے۔
آیتوں کا ۱۲ دوسرے ۱۲ تیسرے ۱۲

سید شاہ ماشوم حلوی۔ شیخ وجہ الدین گجراتی کے پیچھے اور شیخ برکات اللہ
کے فرزند تھے۔ اکبر اسمعاد شاہ جگت گرو (۱۶۵۰ء) کے زمانہ میں
بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۶۵۰ء) کے زمانہ
میں مرید بنائے۔ ۱۷۰۰ء کو انتقال فرمایا۔ شاہ مراد میں شاہ جلال نے جو کچھ
مرید خاص تھے آجے انکار و اشغال اور مہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اسکا
نامہ مقصود العاشقین رکھا۔ کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں
نقل کرتے ہیں۔

(۱) ماشوم جی کی سنئے بات جتنے رکھی باسی بھات
اوسر کا جاوے ماتے مات

ساتویں صدی کی اردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؒ کی نظمیں ہیں۔
 ان سے نہ صرف اس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت
 ہوتا ہے کہ اس وقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر انوسنی تھی۔
 حضرت امیر خسروؒ ۱۲۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ربیعہ ۷۲۵ھ کو انتقال
 فرمایا سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۵۰-۱۲۸۷ء) کے عہد سلطان
 بن تغلق (۱۲۸۷-۱۳۲۰ء) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے
 سات بادشاہوں کی لازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن لازمت کی تقریر
 نکات اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ تقی اوحدی نے اپنے
 تذکرہ میں (جوشن ۱۲۸۷ء میں کام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی
 کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے لیکن اوحدی کا یہ بیان اس وقت ایک
 انسان سے زیادہ حلیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقد راہوں نے اس کا نہ خیر
 کو تباہ و برباد کر دیا توڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہے وہ بھی تنگ
 پردہ خفا میں ستور ہے۔

شائمان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپچا تھے
 حضرت امیر خسروؒ کے دو چیتان موجود تھے اور ان کے علاوہ ایک مجموعہ میں
 انکا متفرق کلام جمع تھا جس میں فارسی آمیز غزلیں اور مگر نیاں وغیرہ تھیں ان

دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور ان کے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسرو کا فارسی آمیز کلام نہایت کیا ب ہے۔ اس وقت تک دو عشائیں اور دو متفرق شعر و شریاب ہوئے ہیں جو ذیل میں نقل کیئے جاتے ہیں۔

زحال مسکین کن تغافل و رائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندامتے جاں نہ لپیہو کا ہے لگاے چھٹیاں
شبان ہجراں دراز چون زلف و رز و صلت چو عمر کو تار
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں ہیر تیار
کیا ایک از دل دو چشم جادو بصد فریم بسر و تسکین
کیسے پڑی ہے جو جاننا وے پیار پی کو ہمار بتیاں
چو شمع سوزاں چو زہ حیراں ہمیشہ گریاں عشق آن مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چنیاں آئین بھیجیں بتیاں
بجی روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خصم
سیت من کے ورائے را کہیں جو جائے پاؤں پیا گھٹیا

خوار شدم زار شدم کٹ گیا در غم ہجر تو کمر توڑ ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من بے گنہ ہم ساتھ عجیب و ٹ ہے
روئے تو رونق شکن آفتاب سرو بہ پیش قدم تو بوٹ ہے
گاہ ز خسرو تو گفتہ کہ بیٹھ وہ چکے بھاگ مرا چھوٹ ہے

زرد گر پسرے جو ماہ پارا
نقد دل من گرفت و شکست
کچھ گھڑے سنوارے پکارا
پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا
حضرت امیر خسرو کے حبیل چٹیاں ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون
ماخوذ ہیں۔

دلی
۱۲

سب کوئی اُس کو جانے ہے
ایک نہیں جمانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے
نکر کیا اُن دیکھا ہے

دس ناری کا ایک ہی زر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
چربی بستی باہر وا کا گھر
منہ میٹھا تا تیر گرم

بالا تھا جب کے بجایا
خسرو کہہ دیا اسکا ناو
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
بو جھنہ نہی چھوڑ گاؤں

اندر چلن باہر چلن
ایک پیچھے دھڑکی
کے پیچھے دھڑکی
ایک پیچھے دھڑکی

جل کرنے جل میں ہے
آپہوں دیکھا خسرو کے

ایک انوکھا گرہ بنا یا
اوپر بنو نیچے گھر چھایا
گہر

(۲) باپ کے اتنا دیوے سو پوتے
باپ میں دیوے سو پوتے
باپ کا دیا چھینے سو کیوت

(۳) دنیا چھوڑے شیخ کہاٹے
یہ حجاب بھڑکے بھولے ناٹے
دینی شیخی سوں یک میدا
پتلے بھوٹے دو جے شیطان

شاہ نظام الدین، شاہ ہاشم کے ایک مرید خاص تھے۔ مقصود شاہ
نے انکا بھی ایک دوہہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے۔ اول حیکانین دل صفا
اجامہ سونڈے میں ڈب رہا۔ او سے خوشبو لگائے نوکریاں

اوپر جو کچھ نہ کو رہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے

اب ہم ذیل میں چند نمونے ہندوؤں کی زبان کے درج کرتے ہیں جن

ہندوؤں کی زبان کے یہ قیم نمونے راجہ رائے سنگھ ایک مشہور کوئی چند

۵۶۹ء کے زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ راجہ پرکاشی راج کا وزیر تھا اور اسی کو یہ

مشہور ہیں مارا گیا۔ اس کتاب میں اسے پرکاشی راج کے واقعات بیان کئے ہیں

یہ کتاب خالص برج بھاشا میں لکھی گئی ہے۔ لیکن عربی فارسی الفاظ بھی لگے

ہیں اور بہت سے جملے ایسے موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ برج بھاشا

اس زمانہ میں متغیر ہو گئی تھی اور اس سے ایک جدید زبان نکل چکی تھی اور اسے

روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔

راجہ رائے سنگھ ایک متقل کتاب ہے اس سے صرف تین دوہے بطور نمونہ ذیل میں

نقل کرتے ہیں۔
 سینک بان پر تھوی راج کی بانس گج چاری
 لگت چوٹ چوان کی اورت تیلے من گاری
 بارہ بانس بنس گج اونگل چار پرمان
 اتنے گھر بادشاہ ہے متی چو کی چومان
 پیر نہ جمنے جمنے ہیں پھر نہ کھینچے کمان
 سات بار تم جو کیو اب نہ چو کٹ چومان
 کبر و اس بنارس کے رہنے والے اور گورو راما ندر کے چلیے ہیں
 ہندوؤں کے ایک شہر موحہ گزرے ہیں سلطان سکندر لودھی کے
 ۱۲۳۵ء کے زمانہ میں پیدا ہوئے یا پراور جہانوں کے معاصر تھے جہاں کے
 پچیس سال تک میں فوت ہوئے ذوالفقار اردستانی نے دیکھا
 ہیں ان کے حالات لکھے ہیں۔

کبر کے دوسرے بھی برج بھاشا میں ہیں لیکن اس زبان میں نہیں
 جو تھیر کے لئے تھیر تھی بلکہ انی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال
 میں ہندو استعمال کرتے تھے۔ اسیران مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق
 تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اسکے برخلاف ہندوؤں
 کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہو کرتی تھی۔

ایسا کہنے کی تھیں ملاحاسوں کے گ
 سب جگ جگتا و جیجا اپنی اپنی گ
 شکر شکر تاکیا تاکیا و کھیں کیا یاو کہیں کھیراوس کی کوڑے سے فیرا

نینوں کی کرکھڑی پٹی لٹک چھا پلوں کی تھال کے پیا کو لیا چھا

غوطہ مارا سندھ میں وتی لائے مٹیٹھ وہ کیا موتی پائیں گے جو بہت کھنڈے
دراغی لڑا

یہ سج بھیا وندری انتہر پردا ہو تن سوئے سن دھیں خیم شکر

کبیرا مالو ایک ہے گھڑے کا ہے پھیر لوہے سے بکتر ہے لوہے سے شمشیر

کبیر شریسر ہے کیوں ہو سچے کچھ کوچ نقار اسانس کا اجنبی دن

کبیر سے پہلے اور ان کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں مثلاً
سور داس (۹۹۹) تلسی داس (۱۵۸۵) وغیرہ لیکن انہی اور کبیر کی
زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اسلئے ہمنے قلم اڑا کر دیا ہے۔

اور کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک
اردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی۔ اور بالخصوص
دو آب، دکن اور گجرات میں جسے تایخ کی رو سے ہندوستان

اسلامی کہنا چاہئے۔ عام طور پر بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں نہ صرف
عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور شائخین کے وغیرہ وند کہتے تھے
اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت سے علماء کو مغل

اور ہر بیٹہ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علاوہ ان کے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں رہ کر واپس آتے تھے۔ انہی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رہاگات بنے ہوئے تھے اور ان کے آخر اجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھنؤ، کراچی، بمبئی، کٹی تھیں۔ ان رہاگات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں بروقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا۔ اس لئے انہوں نے اردو بولنا سیکھ لیا تھا۔ ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجارتی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث اردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہو گئے۔

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ آپ کا وطن تھا گجرات، دکن، سرندیب، کی سیاحت کرتے ہوئے سلاطین میں مکہ معظمہ پہنچے مولانا علی متقی جو بڑا پتور کے باشندے اور علوم کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہو گئے اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہ کر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شریعہ میں کمال حاصل کیا۔ ۹۵۰ھ میں حب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے کئی عظیم مقامات پر رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شریعہ میں جانشین رہ کر ہندوستان میں مقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے

۱۔ یہ واقعات آثار الدینیہ، زاد المعادین، حذب القلوب، اور اخبار الکتاب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ۱۱

ہانس نہ بلی۔ ہند میں گھنے کہو خسرو گھس کر کیے بنے
حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ میں ایران و توران کی حالت
ہنایت پر آشوب تھی اور جنگیں یوں کے جہال و قتال سے پریشان
ہو کر ہزار ہا مسلمان ترک وطن کر کے ہندوستان میں آ رہے تھے۔ یہ نو وارد
یہاں کی زبان سے ناواقف تھے اسلئے انہیں ہر معاملے میں دشواری پیش
آتی تھی اور اہل ہند بھی ان کا مطلب سمجھنے سے عاجز اور پریشان رہتے تھے
اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے حضرت امیر خسروؒ نے ایک کتاب لکھی اور
اس میں ان تمام لغات اور الفاظ کو جمع کیا جو اہل ولایت اور اہل ہند کی
زبانوں میں روزمرہ استعمال ہوتے تھے۔ اور انہیں کئی ہزار اشعار میں منظم
کیا لیکن یہ کتاب بھی دستبرد زمانہ کے نذر ہو گئی اور اسکے کم و بیش دو سو ابرا
ہیچ رہے ہیں جو خالق باری کے نام سے مشہور ہیں ان دلوایات میں
تخمیناً تین سو الفاظ ہندی کے جمع ہیں اور انہیں سے دس بیس خارج کر دیتے جا
تو باقی الفاظ ایسے رہ جاتے ہیں جو اس وقت بھی زبان اردو میں استعمال
ہو رہے ہیں۔

خالق باری چونکہ چپ گئی ہے اور عام طور پر پستی سے اسلئے
اس کے نمونے کو قلم انداز کر دیا ہے۔
فون اور دسویں صدی میں شمالی ہندوستان میں فارسی بلا
کی تین مشہور و مستند لغات لکھی گئی ہیں ان میں پہلے قدیم
ادات الفضلا ہے۔ اسکو قاضی خان ملا ندز محمد دہلوی نے لکھی ہے

کی پوریش کے بیس سال بعد ۲۲۰ء میں مرتب کیا ہے۔ اس کے تیس سال بعد
قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے شاگرد
شیخ شرف الدین احمد کھنکی منیری کے نام پر اسکا نام شرف نامہ رکھا
یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باریک شاہ بن ناصر الدین محمود
کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے باریک شاہ ۷۴۰ء سے ۷۴۹ء تک بنگالہ میں
حکمران رہا ہے۔ اس کے بعد شیخ لادو پلوی المتونی ۸۲۵ء نے سلطان ابراہیم
لودھی کے زمانہ میں موبد الفضلاء کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں
لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان
کرتے ہوئے ان کے منہدی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور موبد الفضلاء نے
اسکا التزام خصوصیت کیا تاہم کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش
(۷۰۰) ہیں جن کے معنی اردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں
اس کتاب میں جو اردو الفاظ آگئے ہیں ان کی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے
یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اس وقت بھی ہماری زبان میں موجود
اور عام طور پر پڑے جاتے ہیں۔

سلطنت بہمنیہ

۶۲۸ء تا ۹۳۲ء

- ۱۔ علاء الدین بہمن شاہ ۶۲۸ء تا ۶۵۹ء
- ۲۔ محمد شاہ بن بہمن شاہ ۶۵۹ء تا ۶۶۶ء
- ۳۔ علاء الدین مجاہد شاہ ۶۶۶ء تا ۶۸۰ء
- ۴۔ داؤد شاہ ۶۸۰ء تا ۶۹۹ء
- ۵۔ محمد شاہ ثانی ۶۹۹ء تا ۷۱۱ء
- ۶۔ غیاث الدین ۷۱۱ء تا ۷۱۹ء
- ۷۔ شمس الدین داؤد شاہ ثانی ۷۱۹ء تا ۷۲۵ء
- ۸۔ تاج الدین فیروز شاہ ۷۲۵ء تا ۷۳۵ء
- ۹۔ شہاب الدین احمد شاہ اول ۷۳۵ء تا ۷۳۸ء
- ۱۰۔ علاء الدین احمد شاہ ثانی ۷۳۸ء تا ۷۶۲ء

۱۔ فرشتے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سک جات میں محمد شاہ مسکوک ہے۔ تھامس کراٹیکل ۲۲۵
 ۲۔ سکوں پر اس کا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیوسٹاک سلیٹ نمبر (۱۱) آرٹیکل ۱۱۱ نمبر ۱۱۱
 ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

۶۲ء تا ۸۲۵ء	۱۱ - علاء الدین ہمایوں شاہ
۶۵ء تا ۸۶۴ء	۱۲ - احمد شاہ ثالث (نظام شاہ)
۶۶ء تا ۸۸۶ء	۱۳ - شمس الدین محمد شاہ ثالث
۸۴ء تا ۹۲۳ء	۱۴ - محمد شاہ
۹۲۳ء تا ۹۲۴ء	۱۵ - احمد شاہ بالغ
۹۲۴ء تا ۹۲۹ء	۱۶ - علاء الدین
۹۲۹ء تا ۹۳۲ء	۱۷ - ولی اللہ
۹۳۲ء	۱۸ - کلید اللہ

ملک شہزادہ علی خاں - سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ ۶۹۶ء میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی ہارفت کرتا ہوا عین جہ سے کہ میں شہید ہوں۔ اس کے دو بھائی تھے علی شاہ اور حسن بہمنی یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے اُمراء صدہ میشتاں تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے استاد قلع خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا۔ ۷۱۰ء میں تلی شاہ محمول سلطانی وصول کرنے کے لئے بکمر گریا گیا۔

سلطان محمد بن تغلق کا امیر

۱۱ - موفین نے اسکا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت ۶۹۵ء تا ۷۱۶ء بتایا ہے۔ لیکن ہم کے نزدیک ۷۱۶ء سے ۷۱۷ء تک مرصع ہے جو کہ میں۔ امیر بادشاہ کا نام احمد شاہ سکوک ہے۔ (نوساٹا کر نیکل ۵۵۹ء) ۷۱۷ء تا ۷۱۸ء فرزند شاہی ۷۱۸ء - تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۱۱ ۷۱۸ء تا ۷۱۹ء فرشتہ جلد اول ص ۱۱۲

اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کر دی
قتلغ خاں نے اسپرچٹائی کی۔ بیدریں لڑائی ہوئی۔ قتلغ خاں نے
مئے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ بادشاہ نے اسکا قصور معاف کر کے غزنی
کی طرف جلاوطن کر دیا۔

علی شاہ کی بناوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امر اکو کن نے باہم اتفاق
کر کے سلطان کے خلاف بناوت برپا کر دی۔ گروہ کثیر نے اسماعیل مع
کجو دو ہزاری امیر تہا سلطان ناصر الدین کا خطاب دیکر بادشاہ
بنالیا۔ دوسرے امرا وہی ملک کے مختلف حصوں میں خود سر ہو گئے حسن بہمنی
نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے میٹری۔ رائے باغ۔ میچ۔ کلہر۔
گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں
شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کا رزار گرم رہا۔ مسکین باغیوں کو غلبہ
حاصل ہوا۔ لشکر سلطانی نہر میتاٹھا کر فرار ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے
تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز کا عیش و عشرت کے
جشن مناتے رہے۔ اسی شاہ میں امیر ناصر الدین اسماعیل نے بادشاہت
کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرائے اتفاق کر کے ۲۰ ربیع الثانی
۸۸۵ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں
جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اس کے نام کا خطبہ پڑھا
حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد عمالان سلطانی میں تہا شاہ اپنا لقب

اختیار کیا۔ اور بنگلہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اسے اپنا دار الحکومت بنایا۔ اسکی حکومت ہزارہ سے ملنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پہنچی ہوئی تھی۔ زمانہ
 بعد میں اسکے جانشینوں کی سی و کوشش سے مملکت میں ورہی وسعت ہوئی علاوہ
 احمد شاہ نے کون کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیں کو شکست دی محمد شاہ کے
 زمانہ میں اور سیہ اور کاجی ورم مسخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہر میت پانی
 ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر
 وسیع ہو گئی۔ بجا بنگلہ کے راجہ بہمنیوں کے مقابل تھے۔ دونوں کی عداوتی کرشنا
 پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے
 لشکر بجا بنگلہ چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے
 سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدردان تھے
 محمد شاہ ثانی (۱۷۰۹ء تا ۱۷۴۹ء) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا
 میر فیض آبادی جو علامہ سعد الدین تفسارانی کے شاگرد تھے اسکے دربار
 میں عہدہ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے کن
 میں بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب بکری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا اور
 نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی اسے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۱۷۵۰ء تا ۱۷۵۷ء) بھی زبردست عالم تھا تفسیر اصول اور
 حکمت طبعی و نظری میں یدِ طولی رکھتا تھا عروجی و فیروزی تخلص کرتا تھا علم
 اسے بڑی دلچسپی تھی شمس میں بقیام دولت آباد ایک رصد گاہ تعمیر کرائی تھی
 اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گادرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علماء مامور

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز اسکی زمانے میں کلہر گہ تشریف لائے تھے۔
 احمد شاہ بہمنی ۱۱۳۸ھ کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے مثلاً
 ملا عبد العزیز منقہی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے
 دربار کا ملک الشعراء تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک
 احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات
 منطوم کئے اور بہمن نامہ لکھا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط
 ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار
 تنکے طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے۔ بہمن نامہ ادھر لکھا گیا تھا ملا نظیری سامعی
 وغیرہ نے اسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑا کر
 کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاوڑاں محمد شاہ ثالث ۱۱۷۸ھ کا وزیر تھا ایک
 ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔
 سید العلماء سلامت اللہ واحدی۔ شمس الدین سامعی عبد الکریم ہزارنی
 ملا نظیری اسکے ندیان دربار سے تھے۔ مشہور شاعر ملا عبد الرحیم جبارمی
 اسے بید میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی اور ایک مظلوم
 قصیدہ اسکی بیج میں لکھ کر بھیج دیا۔ جبکہ ایک شعر یہ ہے

مرجائے قاصد ملک معانی برجہ الصلا کر نجان و دل نزل تو کر دم الصلا
 سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ
 برسر حکومت رہے۔ اسکے ساتھ انحطاط شروع ہوا۔ محمود شاہ کے زمانے

صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی ۳۲۶ میں انہوں نے نام کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ہمارے میں عہد شاہی احمد نگر میں نظام شاہی بیدریں برید شاہی بیجاپور میں عادل شاہی گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ میں جو سلطان آباد تھے موضع فرشتہ نے ان کے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ اسے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں یا اس کے بعد عساکر اسلامی کیا تھے ہندوستان اگر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں اپنی دو تین پشتیں گزر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب (پردہ) یعنی وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر رہا ہیں تو سل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی تھے اپنی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنی ابی سینا کے باشندے تھے اور من کے رگسے دکن میں آئے تھے اور اپنی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

ملک کے اصلی باشندے ان کے علاوہ تھے سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد گلگتہ اور بیدریہ سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹہ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے خالص آدین زبان نہ تھی بلکہ آدین اور پار پڑھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

عربیوں کے مقابلہ و کینوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں انہی زبان کو بی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ و کینوں کی زبان آدو سے کوئی جدا گانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور اس کے بعد ہندوستان سے آئے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن اس زمانہ کے باعث آب و ہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط و ضبط نے اس میں بتدریج فرق پیدا کر دیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اس قدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے باہمی مبینہ طور پر گھٹیں اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہو گئیں۔ ہندوستان کی زبان آدو اور دکن کی زبان وکنی کہلانے لگی۔

عہدِ ہندیہ کے کہنی مصنف

آدو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف وکنی زبان کے کہنی زبان کے کہنی میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کر لی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف تالیف کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک وکنی زبان کی جہد تصنیفات معروض تحقیق میں آئی ہیں۔ ان میں شیخ علی الدین گنج العلم کے رسالے سب قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ حسین الدین گنج العلم۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں یہ
 ششم میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات
 وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے۔ اس وقت
 یہ شہر سلطان محمد بن تغلق کے ۵۲ء کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے
 بڑے اکابر و شیخ جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً سید خوند میر علاء الدین حسینی دہلوی
 جو دہلی کے اکابر و اولیاء سے تھے۔ شیخ شمس الدین لائغانی جنہوں نے شیخ بہاؤ الدین
 زکریا سے فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ منہاج الدین بمبئی الانصاری وغیرہ شیخ
 حسین الدین سید خوند میر کے مرید ہوئے۔ شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ
 کی تکمیل کی۔ شیخ منہاج الدین سے فیض و حافی حاصل کیا۔ اسکے بعد ۵۳ء میں
 عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت دراز مقیم رہنے کے بعد
 ۵۴ء میں بجا پور میں آئے دکن میں سلطان علاء الدین تھکن کہ شاہ
 (۵۹ء) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی
 عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی ۵۸ء کے عہد میں ۶۲ء جمادی الاول
 کو انتقال فرمایا۔ آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکرہ
 میں انکی تعداد (۱۳۲) ایک سو تیس تحریر ہے۔
 قاضی منہاج الدین جو زجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک
 مشہور تاریخ ہے۔ اس میں سلطان ناصر الدین محمود ۶۲۷ء ۶۴۲ء تک سلطانین
 ہندوستان کے حالات تحریر ہیں۔

شیخ عسیر الدین نے اسکا تلمذ لکھا ہے اور اس میں اپنے زمانہ تک حالات قلمبند کئے ہیں۔ مونیخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اسکا نام لمحات طبقات ناصری لکھا ہے ۱۔
اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اس میں اپنے اکابر و اولیاء کے حالات و مقالات تحریر کیے ہیں۔

آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکنی زبان میں تصنیف کئے ہیں۔ منجانب کچھ تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سنیت جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے۔ ان کے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے۔ ۲۔

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو درازؒ خواجہ نصیر الدین دہلویؒ کے اعظم خلفاء سے تھے۔ آپ ۱۱۷۰ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی کے جگہ گیر میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۱۷۱ھ ذی القعدہ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے نقطہ کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سولہ کے مسائل اس میں بیان کئے ہیں علامہ زرخش می کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلباؤزی المتوفی ۱۱۷۰ھ کی کتاب البصائر شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۱۱۷۰ھ کی کتاب العوارف۔ شیخ

عبد الکرم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محمد الدین ابن العربی المتوفی ۵۴۸ھ کی کتاب المقصود تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات میں۔ خواجہ صاحب نے اپنی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں اپنے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسرار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اس میں تصوف کے اسرار و حقائق تحریر ہیں۔

خواجہ صاحب کا نظم کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف و حدیث اور سکر کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے دریں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انکے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں کی فرمائش پر اپنے چھوٹے چھوٹے متعدد درسلے دکنی میں تصنیف فرماتے تھے منجملہ ان کے مہلح القلائد اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقبولے ارشاد فرمائے تھے آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک بسوط شرح لکھی اور اس کا نام بہشت الاسرار رکھا۔

سید محمد عبدالعزیز حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے رسالہ شاطیہ عشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اسکی شرح لکھی تھی اس کا ایک نسخہ ملیوٹا کتب خانہ میں موجود تھا۔

سلطنت قطشامیہ

۹۱۶ھ - ۱۰۹۸ھ

۹۱۶ھ	۹۵۰ھ	(۱) سلطان قلی قطشہ
۹۵۰ھ	۹۵۶ھ	(۲) جمشید قلی قطشہ شاہ
۹۵۶ھ		(۳) سجان قلی قطشہ شاہ
۹۵۶ھ	۹۸۸ھ	(۴) ابراہیم قلی قطشہ شاہ
۹۸۸ھ	۱۰۲۰ھ	(۵) محمد قلی قطشہ شاہ
۱۰۲۰ھ	۱۰۳۵ھ	(۶) محمد قطشہ شاہ
۱۰۳۵ھ	۱۰۸۳ھ	(۷) عبداللہ قطشہ شاہ
۱۰۸۳ھ	۱۰۹۸ھ	(۸) ابوالحسن تانا شاہ

آل خلیفہ گیر نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اسے سلطان ابوسعید ۱۶۷ھ - ۳۶۷ھ کے زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے امراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں فارس و کرمان پر آل مظفر ۱۵۷ھ - ۹۵۷ھ نے قبضہ کر لیا عراق میں حسین جلالی نے خاندان کیا

(۳۶۴ء) کاسنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ حراثا کے باغی جنہوں نے اپنا لقب ہر سر حکومت ہو کر سریدار رکھا تھا سب وادیر کا ہو کر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب لطیفیہ امیر تمور لک نے ۳۶۴ء کے زمانہ تک قائم تھے۔

دریائے دان کے نیچے آرمینیا میں ترکمانوں کی ایک صحرائی قبیلم آباد تھی اسکے دو طاغفے تھے اور ان کے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اسلئے انکا نام قراقویون لی اور آق قویونلی مشہور ہو گیا تھا۔ پہلا طاغفہ قراقویونلی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائی سے ابطہ اتحاد قائم کر کے آرمینیا اور آذربائیجان میں ایک حکومت قائم کر لی جس پر اسکی اولاد ۳۶۴ء تک حکمران رہی امیر تمور نے یورش کر کے قرا یوسف ۳۶۴ء سلطنت کے زمانے میں تمام ملک فتح کر لیا اور قرا یوسف فرار ہو کر مصر میں پناہ گیر ہوا اور شہر میں جب امیر تیمور کا انتقال ہو گیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آ کر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد قزوین، ہران و اصفہان فتح کئے ۳۶۴ء میں سلطان احمد جلائی کو مار کر بغداد پر قابض ہو گیا۔

قرا یوسف نے ۳۶۴ء میں انتقال کیا اور اسکے بعد اسکا لڑکا مرزا اسکندر بر سر حکومت ہوا اسنے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۳۸۴ء میں سکے بیٹے مرزا قباونے اُسے مار ڈالا مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوندی علی قاسم بیگ حسن بیگ مرزا قباد باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی

بلکان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسر حکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اسکا مطیع و فرمانبردار رہا۔ ششمیہ میں جب اسکا انتقال ہو گیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کر لی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان قبضہ کر لیا۔ ششمیہ میں جب مرزا باہر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آ گیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوامں یہاں کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دوبار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر لی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ششمیہ میں عثمانی حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اسکی حکومت کو روز افزوں و وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اس کے استیصال کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ششمیہ میں جہاں شاہ کو مار ڈالا اور قرا قویونلیوں کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

یہاں میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بھائی کا اوس قلی برسر حکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ قرا قویونلی شہزادوں کا استیصال کیا

لیکن پیر قلی اور اسکی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بالاخر خستہ ہمدان
 میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۳ھ میں سلطان یعقوب بیگ
 برسر حکومت ہوا تو قراقرظ یونانی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انہیں جن حرکتی
 قتل کرنا شروع کیا اور قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو
 اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیج دیا۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے
 سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے سے
 دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ ہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا
 محمود شاہ ہمنی اللہ قلی کے ساتھ غرت و احترام سے پیش آیا اور
 وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن
 محمود شاہ ہمنی نے سلطان قلی کو واپس بلانے نہ دیا۔ اور اسے شارجہ
 میں شامل کر کے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پٹریا اور نہایت پشیمار
 آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اسکی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا
 خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سلطان قلی سو سال تک صوبہ
 کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۴ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال
 ہو گیا اور سلطنت ہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے صوبہ داروں نے
 خود سری اختیار کر لی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان
 کر دیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت
 بنایا۔ سلطان قلی کے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے
 اور شاہ زمان میں کم و بیش دو سو سال حکومت قائم رہی ۹۸۰ھ میں ورنگن میں لکیر

سلطان قلی بالائے سلطنت قلی شاہ ہمدانی سے دکن میں آیا

سلطان قلی

نے گوگندہ کو فتح کر لیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان قلی قطب شاہ کے بڑے جہد قلی قطب شاہ شہنشاہ
 شہنشاہ کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی ملا فتح شریف و قومی اسکے
 دربار کا ملک الشعراء تھا۔ جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت
 زبردست عالم تھا۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے نور شاہ
 بن قباد و الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اسکے مدیان خاص سے تھا۔ اسے
 اپنے آقا کی فرمائش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جس میں ابتدا تخلیق عالم
 و آدم سے ششم تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے۔ پہلے
 مقالے میں قدیم سلاطین ایران و روم و چین کے حالات ہیں۔ دوسرے
 مقالے میں جناب رسالت اور آپ کے خلفاء اور خلفاء بنو امیہ و بنو عباس کا
 تذکرہ ہے۔ تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء و عیسا
 کے معاصر تھے۔ چوتھے مقالے میں متولان ایران کی تاریخ ہے پانچویں مقالے
 میں امیر تیمور اور اسکی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے مقالے میں طوائف و قزاقوں
 و آق قویونلی اور شادان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتویں
 مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں مقالے میں قطب شاہی
 کا تذکرہ ہے۔ موزع فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے۔ بڑے شریف و
 اسکا بہترین نسخہ موجود ہے موصوفیہ نے اپنی کتاب معجمات فارسی میں اسکا اہتمام
 شامل کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ معنی کے حالات اور کتاب کی تفصیل
 لکھی ہے۔

محمد قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدروزان تھا اس کے زمانے میں گو لکندہ اہل علم کا بیج ہو گیا تھا میٹر محمد موسیٰ تر آبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین ہاکمی کے بیٹے اور شاہ طہاسی صفوی کے اہل دربار تھے اسی کے زمانے میں دکن میں اگر گو لکندہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قطبی نے انہیں مکمل السلطنت متبقیر کیا تھا کتاب الرحبت اور کتاب التہادیران کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی انکا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مرزا محمد امین - شہرستان کے سادات سے تھا اسکے دربار میں جیلوں کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامیں تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے اسے خمسہ نظمیں لکھ کر جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیریں خسرو علی مجنوں فلک البروج مطمح الانظار یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ انہی اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اسکا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اسکوسیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھ دیا کرتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصائد اور

لحہ تاریخ نشرہ جلد دوم ۱۴۳۰ حقیقۃ العالم جلد اول ۲۵۸

لحہ ۱ بیچ نمبر (۲۸۹۲)

لحہ ریو صفحہ (۶۷۶) ۱ بیچ نمبر (۲۸۹۰)

مناقب خوب لکھا کرتا تھا۔ اسے سلطنت قطبشاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم اراغیا کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مصحح و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اس کے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہیں مقدمہ میں سلاطین قطبشاہیہ کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی حمید قلی ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات تہذیب خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے۔

عبداللہ قطبشاہ بھی اپنے باپ واد کی طرح نہایت علم دوست اور اریا کمال کا قدردان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کفاح شہرہ میں اس کے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے یہ بزرگ شیخ بہاء الدین الہلی کے شاگرد اور اپنے عہد کے مکتائے رفیع گمار عالم تھے انہوں نے کتاب لار شاہ اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں ان کے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد ہیں۔ اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا علی نے کفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین الہلی نے شیخ بہائی کے شاگرد تھے شیخ البیاضہ کی شیخ لکھی ہے فارسی کا شہور لغت پرانے قاریوں کی یادداشت سے نام لکھا گیا ہے۔ اس بادشاہ

۱۔ ریو طراز اول ص ۱۱۲

۲۔ تجرید المسود ص ۱۱۲

۳۔ مجرب اللغات ص ۱۱۲

۴۔ ریو ص ۱۱۲

کے عہد میں گو لکندہ میں ملا فتح اللہ سمنانی امام فقیہ کی ترقی کا روض الراحین کا ترجمہ کیا ہے۔ ملا نظام الدین احمد بن عبد اللہ السعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جس کا نام حقیقۃ السلاطین ہے۔

بادشاہ کا داماد ملا نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم اس قدر جلیل القدر عالم تھا کہ اسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اسکے ریاضیات کا بھی جت عالم تھا۔ اس نے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں۔ جو سچرہ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ ۱۰۵۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ کتب خانہ اصفیہ میں موجود ہے۔

شعرا کے گو لکندہ

سلاطین قطب شاہیہ اردو عربی

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی شاہ ۹۵۴ھ تک اور اسکے دو جانشین سلطان محمد (۹۵۴ھ تک) اور سلطان محمد (۹۵۴ھ تک) زبان اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے سلطان محمد قلی کا دیوان قطب سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس میں ۱۵۰ سے زیادہ اردو کلام

تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے ہتھیے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا۔ اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اسکے متعلق مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اسکے کم و بیش ٹھارہ سو صفحات ہیں شائد میں سکی کتاب ہوئی ہے۔ یہ نسخہ ہی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اسکے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے خط عبارت لکھی ہے۔

کلیات اشعار فصاحت آثار جنبت مکانی فروس آشیانی مغفرت پناہی عالمی حضرت
محمد قلی قطب شاہ نور اللہ قدس سرہ کام شہر کتاب خانہ مبارک بخط محمد الدین کا تہ تیغ
اداکل شہر حجاب العجب حسنہ حسن و عکسین اعنہ عبدالصمد بن الجرجینی دار السلطنت خداداد
حرس اللہ عن الامداد کتبہ العبد الفاضل لاولاد سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تکمیلہ آمین

دیوان کی ابتداء میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے جس میں
سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکن میں اور فارسی میں چھاپڑ
شعر کہے ہیں علاوہ اس کے کہنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اس دیوان میں
پہلے شہنواں ہیں ان کے بعد قصیدے پہر ترجیع بند اور سرشتے۔ مرثیوں کے
بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالآخر ہم پہلے فارسی پہر دکنی کلام
مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے لکھا کہ مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری
اور اسکے کلام کی نسبت اور اس کے ظاہر کی اسکا اقتباس فیل میں درج ہے۔

لے حضرت کتب خانہ امیر اہل اہل ان العصر الامیر جلالہ (۳۰) ۱۱۱۱
کے مضمون مبارک اور جلد دوم ص ۱۰۱ پر مولانا نور علی صاحب (۳۱) ۱۱۱۱ میں تاریخ مولانا سلطان محمد قلی
کے کلیات کی کام کیفیت لکھی ہے انہوں نے ہے انہوں نے ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ خاص طور پر اس کے چہرے ایران سے لیکر ہندوستان تک یکساں تھے۔ بلکہ ہندوستان کا قدیم گہرہ لکھتا ہے۔ تہا شعور سخن جاری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور شخص جو شرافت کا دھولے رکھتا تھا شعور سخن کا بھی مدعی تھا۔ امیندوستان کے بادشاہ جو شخص کے قدر دان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی سرگونی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہی حال دکن میں قطب شاہی اور تاجدار شاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے ہی اشتہار و ربح ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر پہلے اول ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر مختصر ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ و شاعر ہی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

”اگر رد ایک شاعر کو مستثنیٰ کر دیا جائے چکا درجہ و حقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے ۴ کی عشقہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چار سو برس پہلے کا کلام اگر کچھ کل کے شعرا کے عشقہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر اور شاعری کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہو گا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز زبانی اور وہی بحر ہیں۔ اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی و ستر شاہ سے کم نہیں ہے۔ عشق و مستی اور رقبت میں اس کا کلام کسی کے پیچھے نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قطب کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرا دیا ہے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اردو شاعر میں اس کے بعد وادار نظر آئے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت و حروریت و محبت و مرثیہ نگاہ ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے۔ مثلاً متعذروں کا پھولوں میں دلوں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے مہر و نصیب بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھولوں کا بیان کیا ہے۔ دو شویاں سبز تر کا دھما اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی شویاں اور ترندوں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الہی محل جہاں محل، بلخ محمد شاعری اور اسی جہاں کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم ساگرہ کی تقریب شاہ میلاد نئی عید غدیر، بولی، لکنت و غیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور گالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے۔

”اگر چہ یہ شاعر محمولی میں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ پر نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ شعور و شعور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا ذرا امتیاز کیا ہے اور وہ اس قدر ہے کہ عشق و محبت کے نگاہ کو سب سے باہر نکال کر صفت و تہذیب کو خوب گئی وادار کیا ہے۔ اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے خاص نامہ زار اور بہت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنا شاعر ہے جس نے اردو میں نئی شاعری کا تصور دیا بلکہ اس نے حلقہ تعمیر ہے۔ باہر فکر میں اردو شاعری ابتداء سے متبعہ ہو گئی تھی۔ فارسی اور اردو کا

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں

اور جو کہ اس ملک اختیار کیا اور اپنے شاہدات کو کام میں لا کر ایسی چیزیں لکھیں جس سے اردو کو شعرا ہی قاصر ہے۔

سلطان محمد اور سلطان عبدالرشید فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل الشہ اور دوسرے کا عید الشہ ہے۔ ان کے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حقیقۃ السلاطین میں درج ہیں اردو کا لکھنؤ انتخاب میں جمع ہے جسے مٹ نہ کہ میں اردوستانی نے حیدر آباد میں تب کیا ہے اور اس کا ایک مٹا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

سلطان محمد اور سلطان عبدالرشید فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل الشہ اور دوسرے کا عید الشہ ہے۔ ان کے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حقیقۃ السلاطین میں درج ہیں اردو کا لکھنؤ انتخاب میں جمع ہے جسے مٹ نہ کہ میں اردوستانی نے حیدر آباد میں تب کیا ہے اور اس کا ایک مٹا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن بنانا شاہ کو بھی اردو شعرا شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب بیت اس کے نام سے تحریر ہے۔

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل بھڑا ہے ایک بات کے ہوں گے سخن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے شعرا با کمال شاعر ہوئے ہونگے اس واسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس بن سوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن ان فروع کے انجے حالات پر گہری تائید چھائی ہوئی ہے اور اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے نہایت جلدی اور کثرت سے بعدین شعر کا آثار و تصنیفات دستیاب ہو رہی ہے مگر ذیل میں درج ہے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن بنانا شاہ کو بھی اردو شعرا شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب بیت اس کے نام سے تحریر ہے۔

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل بھڑا ہے ایک بات کے ہوں گے سخن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے شعرا با کمال شاعر ہوئے ہونگے اس واسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس بن سوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن ان فروع کے انجے حالات پر گہری تائید چھائی ہوئی ہے اور اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے نہایت جلدی اور کثرت سے بعدین شعر کا آثار و تصنیفات دستیاب ہو رہی ہے مگر ذیل میں درج ہے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن بنانا شاہ کو بھی اردو شعرا شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب بیت اس کے نام سے تحریر ہے۔

۱۔ حقیقۃ السلاطین جلد ۱ ص ۲۹۹ رسالہ اردو جلد دوم ص ۱۷۷ حقیقۃ السلاطین جلد ۱ ص ۲۹۹
۲۔ گلشن ہند ص ۶۵ تذکرہ میر حسن ص ۱۷۷ حقیقۃ السلاطین جلد ۱ ص ۲۹۹

مُلّا غواصی

مُلّا غواصی گوکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے صفا
ہیں ملّا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا تذکرہ کیا ہے۔

پڑھی کچھ غواصی تہی کر خیال کیا تازہ باغ بدیع الجسمال
میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

”غواصی تخلص در وقت جہاژ بادشاہ (سلطنت ۱۵۸۵ء) پور طوطی نامہ بخشی را نظم فرمود
بابان قدیم نصف فارسی نصف ہندی بطور کبک کہانی سرسری دیدہ بودم شعران نظم
یادیت“

مُلّا غواصی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فنانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الفایلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک
مشہور فنانہ ہے۔ اس میں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور اجنبی کی شہزادی
بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے شرفاری
سے نظم دکھائی میں ترجمہ کیا ہے اور غواصی کے ایک عرصہ بعد عالمیکر کے زمانہ میں
مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خان کی فرمائش سے اس داستان کو فارسی میں
نظم کیا ہے غواصی کی یہ شہنوی سنہ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا
اسطرح ذکر آیا ہے۔

بہر ایک ہزار ہویں پینچتین میں کیا ختم یو نظم دن تیں میں

(۲) طوطی نامہ ملا ضیاء الدین بخشی کے فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ ہے

اور ۲۹ لکھ میں تمام ہوا ہے عوامی نے اس کے اختتام کی تاریخ اس طرح بتائی ہے۔
برس یکہزار ہور چالیس یہ نو ہوئے تھے یو مو تیار پور دیا لکھو تو

ناسی جداول ص ۲۹۱ ایبتہ ۶۸۰ ولسن ص ۳۸۶ میں ص ۱۴۰
سان العصر جلد ۱ (۳) ص ۱۲ شہزادی سیف الملک اور طوطی نامہ کے سینے میں
مولوی عبدالحق صاحب کی ایک خانگی تحریر مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء کے لکھی گئی ہے
شہزادی سیف الملک شہزادہ میں لکھی گئی ہے اور اس میں اس کا تاریخی شمار اس طرح
تحریر ہے۔

برس ایک ہزار ہر تائیس میں کیا ختم ہو نظر دین میں
لیکن میں نے جس قدر اس شہزادی کے قلمی نسخے دیکھے ہیں ان میں یہ شعر اسی طرح درج ہے
جس طرح کہ ہم نے مضمون میں لکھا ہے۔

ملا قطبی

ملا قطبی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں انہوں نے ۱۰۷۶ھ میں تحفۃ النضاج
کا دکنی زبان میں ترجمہ کیا ہے تحفۃ النضاج - شیخ یوسف دہلوی کی
تصنیف ہے یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں اور اپنے فرزند
صدر الدین ابوالفتح کی تعلیم کے لئے ۹۵۰ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اس میں ۲۵
ابواب ہیں اور ان میں فرائض و سنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النضاج ۸۶ بیت کا بحر بحر میں ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے ملا قطبی
نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اس کا شعر شعر ترجمہ کیا ہے فارسی قصیدہ کے پہلے دو شعر ہیں

حمد بگویم بے عدد مرخلاق جن و بشر
کردہ معلق آسمان ہم اقتران شمس و قمر

عقلے بدادہ عرش لا پڑو زپائش طائرے
ان کا ترجمہ طاقطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
نزد مار کر اسماں پر کیا سوچ ستارے ہو چند
جوں بزرگی دی عرش کوں پتکے اڑے یک پائستی
جوں بچ برساں چار سو ان پٹے براں پائے دگر

خاتمے میں قصیدے کے ابیات و ابواب کی تعداد اور تیاج تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

ابیات گفتم حبسملگی ہفت صد براں ہفتادوش
ابواب اوٹد چہل و پنج اندر حباب و ہم حصہ
ہفت صد نو دہ پنج دگر ہجرت محمد مصطفیٰ
عاشربیع الاخر میں وقت ختمی روز قسم
اسکا ترجمہ یہ ہے۔

بتیاں ستر چہ سات سو اس وضع سوں میں جو کیا
باباں ہیں چالیس پانچ جو اسکو یقین کر تو شہ
چار برس پندرہ سات سو ہجرت سوں تھی اس مصطفیٰ
دسویں ربیع آخر جو تھا ہو صبح صادق دن قمر
ترجمہ نے اپنا تخلص خاتمے میں اسطرح بیان کیا ہے۔

آنا زش جہاں میں کیتا کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دہرا امید یو لایا ہوں سب صاحب نظر

”منظور بالتحفة النصاب اور اسکے دکنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ تحفة النصاب کا دکنی ترجمہ دربر و صاحب تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ شیخ یوسف چشتی مصنف تحفة النصاب کے خالامی کے لئے دیکھے خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۶۱ اور نہ کرہ علمائے ہند ص ۲۵۶ کتب مکر میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۱۲۸۶ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک غیر قطعی ہے کیونکہ تحفة النصاب اس تاریخ کے بعد ۶۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔“

ابن شاطی

ابن شاطی گوکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بامین کا منظوم ترجمہ ہے پھر آوا نے اسکا سنہ تصنیف بیان کیا ہے۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے نقل ہے۔ میر تقی میر کا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کتب خانہ تصنیف میں جو نسخہ موجود ہے اس کا ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہسوی سنہ میں تصنیف ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن شاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اتھا تاریخ لایوتوں یو گلزار اگیارہ سو کوں کم تعبے میر یو چار
محکم ابراہیم بی یورمی نے ۹۹۰ھ میں انوار سہیلی کا ترجمہ دکنی میں جمع کیا ہے اسکے دیباچے میں دکنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں اور ان میں پھول بن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بائین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے اور ملا احمد رازی نے اسے سلطان محمد تغلق (۱۲۵۰ء تا ۱۲۵۷ء) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین غفرانی کے فارسی طوطی نامہ سے اخذ ہے۔ پروفیسر ٹاسی نے اسکا سنہ تصنیف بیان کیا ہے لیکن یہ سطور کے بیان سے ۱۲۷۰ء میں اسکا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۰۱ میں نمبر (۱۱۸۲) لسان العصر جلد ۱ نمبر ۳ ص ۱۱۲ ترجمہ انوار سہلی ص ۱۱۲ حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۱۰۱ فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۵۰ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۸ پر اسکا سنہ تصنیف لکھا ہوا ہے۔ طوطی نامہ کے لئے دیکھئے دوسرے نمبر

جہندی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبدالملک قطب شاہ کے زمانہ میں اسے ۱۵۰۰ء کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ سلطان کے کتب خانے میں اسکا ایک نسخہ موجود تھا۔ لیکن اسوقت کیا ہے یہ مثنوی سنہ ۱۶۰۲ء میں کام ہوئی ہے اور تصنیف سے اسکا سال تصنیف اس طرح بیان کیا ہے۔

بنی کی سو ہجرت کا یو تھا تزار
چار سال تین میں بھی ایک ہزار

طبعی

طبعی گوکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے
 اسے سنہ ۱۵۸۶ء میں ایک ضخیم شہر بنوایا گیا ہے جس میں بہرام و گل اندام کا قلعہ
 مذکور ہے اور اس کا دیوار شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ
 میں ابو الحسن نانا شاہ کی بیچ و تائیش بیان کی ہے شاہ راجو حسینی
 گوکنڈہ کے مشہور بزرگ تھے جو چاند نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
 کی اولاد سے تھے سنہ ۱۶۳۷ء میں آپ کا انتقال ہوا ہے ابو الحسن نانا شاہ جو
 سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودہواں بادشاہ ہے اس کے
 حکایات فارسی میں نظامی اور تاریخی نے نظم کئے ہیں اور انہیں ہفت پیکر
 و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے ان ناموں کے رکھنے کی وجہ
 یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ
 الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی شہر کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اسے نظامی
 اور تاریخی کی طرح اس کا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصہ بہرام و گل
 کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ابتدا حبیبیل بیت سے ہوئی ہے۔
 الہی چین کا مجھے تاب ہے مری حبیب کی تیغ کوں آب دے

اس پر گزشتہ ۱۲۷۷ ہجری ۱۸۶۰ء ایچ ۱۶۹۷ء ماسی کا پانچواں خطبہ ترجمہ

نواب سوریہ جنگ بہادر اردو جلد سوم ص ۲۵۰۔ مترجم نے طبعی کا تلفظ تابی لکھا ہے۔
لیکن غلطی ہے۔
شاہ راجہ جینی کے لئے دیکھتے تاریخ خورشیدہ بابی ص ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے
ڈاکٹر اسپیکل کی کتاب عشاق ایران جلد سوم ص ۲۲۰

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدر آباد
میں رہتے تھے سلطان ابوالحسن تانا شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۰۶ء) کے وزیر
سردار کے رٹ کے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں
انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری پس کے دل کی کسی نہ کہتا حاصل بھلا اب اس سے دوانے بھولا تھا

طاسی جلد دوم ص ۵۵۰ میر حسن ۱۹۹۰ سن العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۹
نوری۔ دو بیڑگوں کا تخلص ہے۔ ایک نوری حیدر آبادی جیسا کہ تذکرہ اور
گزشتہ ہے۔ دوسرے نوری۔ اعظم نوری کے باشندے تھے۔ تانا شاہ اکبر کے زمانے
کے زمانے میں گئے ہیں انہیں ملا فیضی تھے بے حد ریا و ضبط تھا۔ ملا محمد خان دہلوی
اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ جبرائیل ص ۱۱۹)
"بہر کس کی خیانت کند الہیہ بر سرید" بیچارہ نوری مذکور ہے نہ نوری ذکر "اطلا
بر وفق سر اس کی کو نوری کا تذکرہ بلکہ میں تخلص کے ایک ہونہ کی وجہ سے سخت غما
ہوا ہے اور نوری حیدر آبادی و نوری اعظم نوری دونوں کو احمد بھک
ان کے حالات معلوم کر رہے ہیں۔

ان کا یہ کلام سدا بہر مانا گیا ہے جو مصنف زبان اردو پر لکھا گیا ہے۔ میر
کا تخلص میر حسن ہے۔ دوسرے مصنف کی ابتداء کے باعث یہ ہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔
ملا فیضی کا تذکرہ آج سے ۱۰۰ سال پہلے ہوا ہے (ادبانی ص ۱۲۱) آٹھ اکر (۱۹۹۰)
ابوالحسن تانا شاہ کی تخت نشینی کے بعد سلطان میر حسن نے مدد طلب کی۔ وزارت
ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول ص ۱۲۱) فیضی کی وفات اور سید ظفر علی وزارت نے
میں ان کا یہی حال کا زمانہ ذکر کیا ہے۔ اس طویل رٹ کو طے کر کے فیضی کے دست کا یہ ظفر
کی ملازمت کرنا بعد از قیاس امر ہے۔

فایز

گو لکندہ کا شاعر اور ابوالحسن تانا شاہ (سنہ ۹۷۹ھ) کا معاصر ہے
 بتایا جاتا ہے کہ قطب شاہیہ سے چار سال پہلے (سنہ ۹۷۹ھ) میں اسے قصہ رضوان شاہ
 و روح افزا کو نظم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ سنہ ۱۲۴۲ھ کا
 لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ شرفاوی میں تھا۔ بعض قتل
 کی فرمائش سے فائز نے نظم دیکھنی میں اس کا ترجمہ کیا۔ ابتدا اس کی حسب ذیل
 بیت سے ہوئی ہے۔

اول نام حق کا بے بولوں سخن ہندوں کی توحید کہوں دین
 تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ہے۔

اتہا جرت سال ہجرت ہزا اُس اور پروردگار کے اوپر چہا ہے
 مثنوی کا نام قصہ رضوان شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اس کا ذکر اس طرح
 ہوا قصہ رضوان شاہ کا تمام نبی اور ولی ہزاراں سلام

اس پر نگر صلیب اسٹوارٹ ص ۱۷۱

ڈاکٹر اسپرگر نے فائز کا اناجھلے نام سے محفوظ کے ضار محفوظ ہے۔
 فائز لکھا ہے۔
 فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۲۱ میں اس کا نام قصہ روح افزا
 درج ہے جو غلط ہے۔ اور کتب خانہ ڈاکوٹیل اس کا نسخہ فن قصہ رضوان شاہ
 پر محفوظ ہے۔

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدرآباد کے باشندے اور قطب شاہی
شکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تانا شاہ کے مصاحب ہو گئے۔ مرتبہ خوب کہتے تھے
ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

لنا متن کا غیر سے کوئی جھوٹ کو سچ مجھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سب کوئی تپہ کوئی کچھ
میر حسن ص ۱۱۱ سخن شعر ص ۲۴۲

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدرآباد کے باشندے تانا شاہ کے مقرب
اور نگین عالمگیر نے جب حیدرآباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبدالکبیر گشتی
ہو گئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ
ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا ترے کال ہو اچھا سمجھیں مہن کلف کو نتیجہ خال ہو اچھا
مرزا وہ نہال کدہر مٹ گئے چمن لگتا تھا جن کے ماتھے پہ گل لال سوں اچھا

میر حسن ص ۱۱۶

سلطنت عادل شاہ

۸۹۵ھ - ۱۰۹۶ھ

۸۹۵ھ	۹۱۶ھ	(۱) یوسف عادل شاہ
۹۱۶ھ	۹۳۱ھ	(۲) اسماعیل عادل شاہ
۹۳۱ھ		(۳) ملو عادل شاہ
۹۳۱ھ	۹۶۵ھ	(۴) ابراہیم عادل شاہ اول
۹۶۵ھ	۹۸۸ھ	(۵) علی عادل شاہ اول
۹۸۸ھ	۱۰۳۶ھ	(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
۱۰۳۶ھ	۱۰۶۶ھ	(۷) محمد عادل شاہ
۱۰۶۶ھ	۱۰۸۳ھ	(۸) علی عادل شاہ ثانی
۱۰۸۳ھ	۱۰۹۶ھ	(۹) سکندر عادل شاہ
سلطین عادل شاہیہ کا سلسلہ نسب روم کے سلطان عثمانیہ		
۱۲۳ھ		۸۵۵ھ کے دو فرزند تھے۔

سلسلہ سوانح فرشتہ جلد دوم ج ۱۱ طبعات اکبری میں سلسلہ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسدغاں نے سراج التوائج میں سلسلہ لکھا ہے۔ یہاں اسلطانین

میں) محمد خاں و یوسف خاں مشہد میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا
 تو شاہزادہ محمد تبریز حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی
 وجہ سے تخت و تاج کے لئے آئندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اس کے قتل کا حکم
 دیدیا۔ افسرانِ سلطانی شاہزادہ یوسف کے لئے اسکی ماں کے یہاں گئے تو ان
 شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک
 ایرانی تاجر خواجہ حماد الدین گر جتانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کثیر و ثمن
 کیساتھ اسکے حوالہ کر دیا۔ تاکہ اسے دار الحکومت سے لیکر فرار ہو جائے اور
 شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبہ تھا
 بات کو سمجھ کر دیا اور صبح اسکی لاش افسرانِ سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا
 جنازہ سلطانی کسب و بروج کے موافق سپرد خاک کیا گیا۔ اور خواجہ حماد الدین
 شاہزادہ یوسف کو لیکر اسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں
 سے ایران میں آکر سادہ میں پناہ گزین ہوا۔

خواجہ حماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے۔
 بعد دو نوں مغرب وستان کی جانب روانہ ہوئے مگر ہر ملوڑ
 سے جہاز پر سوار ہو کر تھیں مصطفیٰ آباد و ایل پرا تھے اور یہاں پہلوں کے
 دارالسلطنت آکر آباد ہوئے۔ یہاں کہ خواجہ حماد کا کہ یہاں ہوئے۔
 گاہ اس نے یوسف کی سرگزشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کی کہ اسے

سلطان مراد و سلطنت عثمانیہ کا چٹا فرمانروا ہے اسکا جانشین سلطان محمد جسے ال تارک
 قلعہ قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں مشہد سے لائے تاکہ حکمران رہا ہے اسے
 میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اسی مع میں متعدد قصائد کہے ہیں۔

شاہی چلوں میں شامل کرادیا شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اسلئے محمد شاہ بہمنی (۱۷۶۷ء) کے دربار میں اسے بے حد تقرب حاصل ہو گیا یہاں تک کہ ۱۷۸۳ء میں بادشاہ نے اسے جنیور کا صوبہ بنادیا اسکے بعد بجا پور کا سرٹکر مقرر ہوا اور مدت ورازنگ اس خدمت

انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی ۱۷۸۵ء کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہو گئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۱۷۹۵ء میں اسنے اپنی منتقل حکومت قائم کر لی اور بجا پور کو مستقر حکومت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اسکی اولاد میں کچے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دوسو برس حکومت قائم رہی

یوسف عادل شاہ اور اسکا جانشین اسماعیل عادل شاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مروج فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ان کا کلام نقل کیا ہے اور اسماعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔

”بج یک از سلاطین دکن بستان و لطافت او سخن گفتہ“

اسماعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادل شاہ بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے انکے عہد

میں یوسف عادل شاہ کی اعلیت اور رتہ سے فارم کر سید ہیں آئے اور بجا پور میں بہتر حکومت ہوئی جو کہ واقعات گذشتہ میں اون کی تفصیل کے لئے دیکھے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱۷۰ نشیب القاب جلد سوم ص ۱۷۰ بہتیں سلاطین ص ۱۷۰ بہمنی گزن کی اگر نیکی آئے آئے کہ آف بجا پور کا اضمیمہ ہیں میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات

عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر سجا پور کی سکونت اختیار کر لی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔
 علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے حکماء عراق عقل کی عرش کے نقب سے یاد کرتے ہیں ہزار روپیہ صرف کر کے شیراز سے بلایا تھا۔ اسکا وزیر افضل خان شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اسکی فیاضیوں سے سجا پور میں کثرت سے علماء و فضلاء جمع ہو گئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علماء و فضلاء کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے دربار علمی مباحثہ و مناظرہ کیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندو کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اسنے اپنے زمانہ میں علم و ہنر کے پہلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے۔ مثلاً نور الدین ظہوری جسکی نظم و نثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔ ملا ملک قمری جسنے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھ کر بادشاہ سے اسکے حلیہ میں ایک بار شتر ز طلا حاصل کیا ہے۔ حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و بے نظیر تاریخ لکھی ہے۔ عبدالرشید بکلی جس نے بادشاہ کی فرمائش سے علماء الدین بن فیروز

کی عجائب مخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔
 طایفہ الدین شیرازی جرنج بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا
 خلاصہ لکھا ہے۔ اور سلطانین بہمنیہ اور شامان خاوندشامیہ کی ایک بڑی
 تاریخ تذکرۃ الملوک کے نام سے تصنیف کی ہے۔
 شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن الجبر الہمدانی
 کے شاگرد تھے اہل بادشاہ کی طرف سے بیجا پور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا
 درس دیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادل شاہ ثانی
 برسر حکومت ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل
 کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتش تہا
 اسے بادشاہ کے حکم سے خمر و نظامی کا جواب لکھا ہے طایفہ الدین نے
 تذکرۃ الملوک میں سلطان طبرج عادل شامیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک
 لکھے تھے۔ بادشاہ کے ایما سے طامچ حسن نے اسکا کلمہ لکھا اور اس میں محمد عادل
 کے حالات تحریر کئے علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اسد و لد
 قاضی سید علی محمد ایک زبردست اثناء پرداز گذرے ہیں انہوں نے
 علی عادل شاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اس میں اپنے قیم دید واقعات قلم بند
 کئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و متعقی ہیں۔
 سلطانین خاوندشامیہ اور زبان اردو
 سلطنت عادل شامیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجا پور میں روم

غام ہو گئی تھی امیر غریب دنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے
 سلطانین ہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا لیکن
 یوسف عادل شاہ اور اسکے فرزند اسماعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں
 شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا۔ کم و بیش چالیس سال فارسی عروج پر رہی
 ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج تخت کو حاصل کیا تو اس نے حبشیان
 فارسی کو محض شاہی دفاتر میں زبانِ اردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت
 کی زبان قرار پائی۔ مہر خانی خاں نے اس واقعہ کو حسبِ میل الفاظ میں
 بیان کیا ہے۔

ابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کو بجائے دفتر ہندی جو پیدا و قراءت نہ ہو
 برطرف منہ بہ دستور سابق ہندی مقرر فرمود۔

علی عادل شاہ اول دسٹھ سٹھ اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان
 کو مروج کیا۔ لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی دسٹھ سٹھ جب حاکم
 ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر اردو زبان جاری ہو گئی اور سلطنت عادل شاہیہ
 کی تباہی تک برابر جاری رہی۔

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد بہارت حاصل تھی خاص کر
 سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گوئے اس سے

سے منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے ہی قدرے اجمال کیا ہے
 اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھئے تاج فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۲ سلطانین ص ۱۹۰
 ۱۱۰ سلسلہ آئندہ جلد چہارم صفحہ ۱۱۱

جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سر و سندی کے قواعد و ضوابط قلمبند کئے گئے اور اس کا نام فورس نامہ لکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اس پر دیباچہ لکھا تھا جو اس وقت بھی موجود اور تہہ نشتر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی جاوید شاہ ثانی کو زبان اردو سے بچاؤ دیکھی تھی اس کے زمانہ میں شاعر شاعری کا خوب چرچا تھا۔ اردو گو شاعر اکثر شاعری پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہ اٹھنے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور ان سے اردو میں بہت کچھ لکھوائی گئی اور ان کے صلہ میں رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ مولانا جلی

بادشاہ پر بود یا پیش سپاہ دوست و در بخت دوست و شجاعت و دوست خلق
مشہور نصیب تھا رادوست داشتی۔ و شاعران ماحرمت نویں خضر ہما
و حق شاعران ہندو زیادہ مراعات می فرمود۔ و در عہد او ترجمہ ہونے لگا
تالیف ملا جانی و ترجمہ روضۃ الشہداء و قصہ منوچہ و بدایات کہ
حائل جاس خجانی بہ نظم و نثر و در ہما نصرت و دیگر شاعران جیا پور بہ زبان
دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صل وافر و غورناہیں یافتند۔

و از جملہ شاعران جیا پور ایں عہد میرزا تخلص شاعری بود کہ زبان خود را
و تخلص میرزا تخلص بدلتین و منبت آئمہ الطاہرین نمودہ ہرگز نہ اے احدی
از ایں و گدا شاعر نہ گفت و مرشدیہ شمار کہ و نام شہداء سے کہ بلا گفتہ زبان زد
خاعر و نظام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ و در سہ علی جاوید شاہ میرزا

بجھو خود طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ درج بادشاہ زبان آشنا
 سازو در جواب التماس نمود۔ زبان کی کہ برائے حمد و نصرت و منقبت و تہذیب گردید
 بہکم من نہ ماندہ۔ بعدہ کہ مکر سلطان تکلیف نمود یک دوسرے از زبان سلطان
 بہ جائے اسم خود تخلص علی عادل شاہ تسمی داخل نمود کہ دومین واقع شدہ
 ابراہیم زبیری نے علی عادل شاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے
 ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ
 ”شعراے ہندی گو بیار از خاک بجا پور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ شہر گئی
 تازہ گرم داشتہ اند۔ اناں طلبہ کیے میاں نصرتی است کہ بہ نصرت و قار و ستارہ
 دہن تا بستیغ زبان کشیدہ فتح اقلیم مغوری کردہ ہلک شہرانی حکم شد“
 دیباچہ اول شاہی کے شعرا کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے تجاوز ہوگی
 مگر تذکرہ نویسوں کی بے انتہائی سے اس کے نام تک نہ پیدا ہو گئے ہیں بعض نام
 تاریخوں میں ضمناً آگئے ہیں بعض کا پتہ اون کی ان تصنیفات سے چلا ہے
 جو زمانے کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں۔
 انہیں سے ذیل کے شعرا بے بجا پور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعراے بجا پور

رسمی

رسمی کا نام کمال خاں اور اسکے والد کا نام اسماعیل خان ہے باپ اوجڑ

دونوں سلطانین بیجا پور کے دربار میں دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے ایسے
اس کا تخلص رسمی لکھا ہے لیکن قطعی ہے رسمی نے جدید سلطانہ شہنشاہ
بیگم کی فرمائش سے ۱۰۵۹ء میں خاور نامہ کا فارسی سے نظم و کئی میں
ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیگم سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۳۵ء - ۱۰۵۹ء) کی دختر اور
سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ء - ۱۰۵۹ء) کی خواہر تھی ۱۰۴۲ء میں
ابو المنصور سلطان محمد بن ابراہیم عادل شاہ (۱۰۵۹ء - ۱۰۸۵ء) کے ساتھ
اس کا عقد ہوا تھا خاور نامہ نظم ہے اور شاہنشاہ فردوسی کے جواب
میں لکھا گیا ہے۔ اس میں امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور
ہیں۔

محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۱۰۳۶ء میں تصنیف کیا ہے۔
اور اس تصنیف کے باعث اس نے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل
کی ہے ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۱۰۳۶ء اور خوند میر
نے ۱۰۹۳ء لکھا ہے لیکن صحیح تایخ ۱۰۵۵ء ہے۔

ٹاسی جلد دوم ص ۵۶۹ ایچ نمبر ۸۹۶ ریو جلد دوم ص ۶۲۲ حدیقہ العالم
جلد اول ص ۲۴۳ دولت شاہ ص ۱۵۴ حبیب الیسر جلد سوم ص ۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجا پور ہے ان کے آبا و اجداد بیجا پور
میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلج دار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی
اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تھا مجھ پدر سوخت جماعت آپ۔ قدیم یک لحدار جمع رکھا۔ پور
 نصرتی کے بہائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے جس کا
 کے شاہیہ فقرا میں انکا شمار ہوتا ہے لیکن باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق
 قادریؒ کی درگاہ میں ان کا مزار اب تک موجود ہے۔

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادل شاہ
 (۱۳۱۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسانی حاصل کی۔ علی عادل شاہ (۱۳۱۷ھ)
 کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعر کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین شنوان ہیں ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک
 غزلیات کا دیوان ہے۔ شنیویوں کے نام یہ ہیں (۱) جلی نامہ (۲) گلشن عشق
 (۳) گلدستہ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود
 ہیں پر و فیسٹاسی نے بھی انکا ذکر کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے۔ اس میں نصرتی نے علی عادل شاہ کے سوانح
 و فتوحات اور مجالس عشق و طرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور انکے ضمن
 میں مختلف مواقع پر قصائد و جملہ بھی درج ہیں مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات
 تاریخی میں اسکا نام تاریخ علی عادل شاہ لکھا ہے لیکن خود نصرتی نے
 شاہنامہ دکن کے نام سے اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوں کیسا سخن مختصر بے گداں کہ یو شاہنامہ دکن کا ہو جان
 علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اس میں سنہ تصنیف درج نہیں ہے لیکن
 مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۳۱۷ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ

کیونکہ اس میں سب سے اخیر واقعہ منالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو
 علی حاد شاہ نے لکھنؤ میں فتح کیا ہے اور اس واقعہ کی یادگار میں نصری
 نے دکنی زبان میں ایک تلخ بھی لکھی ہے۔ جو ابراہیم زبیری کی تاریخ
 میں ہے۔

علی نے کل میں منالہ لیا صلابت منو
 گلشن عشق میں منوہر و مدالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور
 ہے اس میں کم و بیش چار ہزار شعریں اور لکھنؤ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ
 تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

دہریا اس کی تاریخ کا خیال وہیں کہ تغیب جگر مقال
 کہیا اسکی تاریخ ہاں ہجرتی "مبارک ہے یوہدینصری"
 عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدالتی کے فائدہ کو فارسی میں
 منظوم کیا ہے اور شمع و پروانہ اسکا نام رکھا ہے خوانی خان نے گلشن عشق
 کو عاقل خان کی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ گلشن عشق
 ۱۰۶۱ء میں تمام ہوا ہے اور اسکے ایک سال بعد عاقل خان شمع و پروانہ
 لکھی ہے۔ چنانچہ شمع و پروانہ کا وہ بیت جس میں تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے
 یہ ہے۔

بہت کنوں ز دور نہ طارم سال ہجرت ہزار شخصت ہنم
 قصائد و غزلیات کے مجموعے اس وقت ناپید ہیں لیکن ابراہیم زبیری
 کے زمانہ میں مروج و مداول تھے اور ان میں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے

دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصانیف میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جس کے ایک سو اکتیس شعر ہیں۔
اس میں سراج کے حالات مذکور ہیں جس کے باعث معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے۔
ہر قصیدہ سلطان محمد عادل شاہ (۱۵۷۶ء - ۱۵۸۵ء) کے عہد میں لکھا گیا ہے اسکے
خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و تائیس بیان کی ہے اور اخیر میں
اس کا تخلص سلطیج لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی غزوہ نول یوگی دور کے دفتر اوپر پراچھے ہر یکین
گل رعنا کے مصنف نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے جو سنہ ۱۱۷۱ھ میں ہرقام
اکبر آباد مکتوب ہوا ہے اور چندا شمار اس سے انتخاب کر کے اپنے تذکرے
میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا سنہ ۹۵۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور ان کی لائبریری شاہ عبدالرزاق
قادر کی درگاہ میں شیخ منصوب کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی
مضمون آفرینی اور ربط اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔

نامی جلد دوم ص ۲۸۵ اشارت ص ۱۷۹ و ص ۱۸۱ سپرگز ص ۶ مارک

ص ۷۹ ولن ص ۳۹ ایچ نمبر ۳۲ - ترجمہ انوار سہیل ص ۱۱۱ سلسلہ

جلد ششم ص ۶۵۱ بابتین السلاطین ص ۴۷۶ و ص ۴۷۷ و ص ۴۷۸

منتخب اللہ جلد سوم ص ۳۷۷ گل رعنا ص ۷۷۷ و ص ۷۷۸ لسان العصر جلد اول

ص ۱۱۱ تذکرہ شعراء دکن جلد دوم ص —

شاہ ملک

شاہ ملک بیجا پور کے باشندے اور علی عباد شاہ (۶۷۰ ۸۳۳ھ) کے
معاصر ہیں انہوں نے ایک رسالہ احکام الصلوٰۃ کے نام سے نظم دیکھی ہیں
لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی
فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۸۳۳ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے
یوسلیاں کو دیکھی کیا اس سبب فہم کر کے دل میں کرے یا دسب
سویشین الف ہی و میم لام کاف قرین کوں دیکھی ہیں بولیا ہے صاف
سنہ یکہزار ہوستر پوسات کیا تھا اسی سال میں یونکات
احکام الصلوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۸۳ھ کا لکھا ہوا میر تاج کے کتب خانہ میں
موجود ہے اور اسی سے ہم نے یہ حالات اخذ کئے ہیں۔

امین

امین شیخ امین الدین علی کا تخلص ہے۔ آپ بیجا پور کے اولیا
کبار سے ہیں اور علی عباد شاہ ثانی (۶۷۰ ۸۳۳ھ) کے زمانہ میں گئے
میں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۸۳۳ھ میں آپ کا
انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہی
کرتی تھی اور جب کہی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم عرفان کے حقائق و اسرار
ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشادات کو جمع کیا ہے اور اس
مجموعہ کا نام جو اہر الاسرار رکھا ہے۔ بیٹے اس کا ایک نسخہ دیوار میں لکھا ہے

جس کا حجم پانچ صفحات سے زیادہ ہے اور اس میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں اور ان کے بعد تھوڑا سا متفرق کلام ہے۔ دیر تاج کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ دکنی تصنیفات کا ہے جس میں آپ کے بھی دو رسالے شامل ہیں ایک کا نام رسالہ قمریہ اور دوسرے کا رسالہ وجودیہ ہے اور ان دونوں رسالوں میں تین سو بیالیس ابیات ہیں۔

روضۃ الاولیاء جیا پور ص ۱۲۲ تاریخ خورشید جاہی ص ۱۸۲

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجا پور میں رہا کرتے تھے علی حادشاہ ثانی (سنہ ۸۳۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے سنہ ۹۲ھ میں روضۃ الشہداء کو نظم و کہنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہداء مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے سنہ ۱۰۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا انوار سہیلی اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہداء شہدائے کربلا کے حالات میں ایک شہرہ اور مقبول کلام

کتاب ہے۔ سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرائے واقعات کربلا کو منظوم کیا ہے اور ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

۱۱۶
ٹاسی جلد سوم ص ۱۲۲۔ اسٹوارٹ ص ۱۸۱۔ آبجیات ص ۷۷۔ ن الوصیر
جیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۳۴۱

مومن

ان کا نام عبداللہ مومن ہے چنیا پٹن کے باشندے تھے۔ پیشہ علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عاشری ہمداری شال تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں نے اسرار عشق کے نام ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور اس میں اپنے مادی ویشوا حضرت سید محمد صاحب جیو پوری کے حالات و کرامات تحریر کئے ہیں یہ کتاب نظم میں ہے اور ۱۰۹۸ء میں تمام ہوئی ہے اسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بجا پور ہے علی عاشر شاہ ثانی ۱۰۸۳ھ کے عہد میں گذرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے شاہ ہاشم بجا پور کے شاہ اولیا سے ہیں شاہ وجہ الدین گجراتی کے بیٹے تھے ملا علی گڑھ آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے یوسف لہجہ کا فسانہ منظوم کیا ہے۔

خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمہ انوار سہلی کے دیباچہ میں اسکا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے

یہ شہنوی سکندر عادل شاہ دکن کے شاہ کے اہل عہد میں شاہ شہم کی وفات سے تریالیس سال بعد ۹۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ ترجمہ یوسف زلیخا میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یقین کو تو ہزار اک ہیں پر تھے نو دپو نو
اہیں چہ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اسکا حسب ذیل بتیے
ہوا ہے۔

شناہ اسکوں سزاواری سگل عشق جکایو ستارے
اس شہنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں
موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اور ٹیل سو سیٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں
ہاشمی اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جس میں قصائد و غزلیات کے علاوہ
مرثیے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اسوقت نایاب ہے
لیکن جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں حسب قدر غزلیات میں
انکا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور انہیں عورت کا عشق مرد
کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

مذکورہ شعرا کے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۱۰۰۹ھ تحریر ہے
لیکن تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ ہاشمی شاہ شہم کے مرید اور علی عادل شاہ

کے معاصر میں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے سن ۹۸۰ کے سن ۹۸۱ء قرار دیکر اسکی تصحیح کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ سن ۹۸۱ء کے نو سال بعد سن ۹۹۰ء میں ہاشمی نے منوی یوسف زلیخا لکھی ہے حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ سن ۹۸۰ء ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگسازوں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔
 و نیز از ہجرت مسند ہی گویا آن زمان یکے میاں ہاشمی است کہ فیض لایقین
 مبارک حضرت ید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیریں بیان کشادہ از سخور
 گوئے حقیقت ربیعہ قصہ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آن زمان بزبان کہنی نظم
 نموده و دیوان غزل شتمبر مضامین جعدیہ و تلامذات شہیرہ ہم دارد کہ مقبول
 طبعان افتادہ و در شعر طرازی نادر و شہی غریب و زریہ کہ کسی برو سبقت ندارد
 باوجودیکہ بصیر مادر زاد بصیرت چشم بنیا۔

فہرست کتب خانہ جرمن اور ٹیلی سوسائٹی جلد دوم ص ۶۶۔ بابین السالین
 ص ۲۲۲ منتخب الباب جلد سوم ص ۲۶۔ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱۱۔ روضۃ اللام
 ص ۹۴۔ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم ص ۱۲۰۔ گل رعنا ص ۱۱۱۔ العنبر
 جلد اول ص ۱۱۴۔

مرزا

ان کا وطن بجا پور ہے نصرتی اور علی عادل شاہ ثانی کے
کے معاصر ہیں۔ صرف مرثئے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے
تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی بیج و تائیش سے آلودہ نہیں کیا
ایک دفعہ علی عادل شاہ نے ان سے اپنی بیج کہنے کی فرمائش کی اور اس پر
مکرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثئے لکھے اور اس میں اپنے مخلص کے بجائے
بادشاہ کا نام بیج کر دیا۔

مرزا نے علی عادل شاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے۔ ابراہیم زہری
نے لکھا ہے کہ مرزا محرم میں سویرے شب مجالس غزلیں مرثیہ خوانی کی علی بیج
طہارت کے لئے باہر نکلے تو اس نے کسی دشمن سے خنجر سے شہید کر دیا۔ دن
نکلنے کے بعد جب شہر کے علم و رفعت کے نکلے تو اس نے چھپے مرزا کا جنازہ
بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرثیہ قادیانی کے مقبرے میں اپنی
لاش سپرد خاک کی گئی۔

منتخب الالباب جلد سوم صفحہ ۱۶۹ بیان السلاطین مرثیہ ۱۶۹ گل رخا

شہزادے دکن مغولوں کے عہد حکومت میں

شہنشاہ اکبر ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اسکے بعد شامان مغولہ کی پے پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۰۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۰۲۸ھ میں عالمگیر (۱۰۲۹ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم و بیش شامان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا ۱۰۹۹ھ میں بجا پور کے عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اسکے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل فوجیہ کی معرکہ آرائی کے بعد ۱۲۳ھ ہجری القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گوکنڈہ فتح ہوا اور اس طرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ گوکنڈہ اور بیجا پور کے درباروں میں شہزادے اردو کے ساتھ بھید مراعات کئے جاتے تھے۔ اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزار ہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن

عموماً اور مسلمانانِ دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہو گئی تھی کہ بات چیت اور لہجہ دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی ملتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبانِ اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اس کی طرف رجوع ہو گئے تھے اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحانِ عام کے باعث اس کو اپنا شغل بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

منقولہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرائے شہرت حاصل کی ہے ان کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

عاجز

ان کا نام محمد علی ہے۔ دکن کے باشندے تھے لیکن ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوا کہ کس شہر کے رہنے والے تھے اور دکن کا کون سا خطہ ان کا وطن تھا۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی تصنیفات سے کتب ذیل موجود ہیں۔

(۱) قصۂ فیروز شاہ۔ منوچہر خاں حاکم مشہور شاہی کتابخانہ (۲) کے عہد میں نشر فارسی میں ایک کتاب محبوب القلوب لکھی گئی ہے جس میں

مختلف قصص و حکایات جمع ہیں مجملہ ان کے ایک قصہ فیروز شاہ کا ہے جسے عاجز نے اردو میں نظم کیا ہے۔

پروفیسر ولسن کا (جس نے کرنل میکنزی کے مخطوطات مشرقہ کی فہرست بنائی ہے) بیان ہے کہ فیروز شاہ کے قصہ میں بہت سی باتیں گنجل بکاؤلی کی داستان سے ملتی جلتی ہیں۔ اس قصہ کا ایک نسخہ جو سنہ ۱۱۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے اندیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاجز نے اسے سنہ ۱۱۰۰ھ سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

(۲) قصہ لال و گوہر۔ بنگالہ میں زمر شاہ اور نگینہ میں جو اہر شاہ دو بادشاہ تھے۔ لال زمر شاہ کا فرزند اور گوہر جو اہر شاہ کی دختر تھی اس میں ان دونوں کے عشق و محبت کا فسانہ مذکور ہے یہ فسانہ اندیشہ کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور اسکو میر حسین علی غرت نے مسعود سلطان کے حکم سے ۹۲۰ھ میں بقماسنگ گپٹم نظم فرمایا، اس ترجمہ کیا ہے اور اسکی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

زہر جرت یکہ زار و صد و شہاد کہ بود اثناعشر بالائے تعدا
قصہ لال و گوہر میں چب گیا ہے اور عام طور پر ملتا ہے۔ پروفیسر
ٹاسی نے بھی اس کا فرانسیسی میں خلاصہ کیا ہے جو اون کی تاریخ میں
بطور ضمیمہ شامل ہے ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الہی دے مجھے رنگیں بیا عطا کر مجھ کو یا قوت معانی

(۳) قصہ ملکہ مصر۔ یہ قصہ بھی فارسی شریں تھا۔ عاجز نے اسے

دکنی میں نظم کیا ہے۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔
 رکھا ہے معلق زمین سے چلتا ہے یونٹ زمین زکات
 تذکرہ شہزادے دکن میں لکھا ہے کہ لالہ گوہر عارف الدین
 عاجز کی تصنیف ہے مصنف گل عثمانی بھی اسی کا اتباع کیا ہے لیکن یہ
 ایک بیخ غلطی ہے کیونکہ عارف الدین عاجز کا جو دیوان موجود ہے
 اور اس میں ان کا جس قدر کلام ہے وہ سب ایہام اور ذو معنی مضمتوں
 سے مملو اور فارسی زبان کے اثر سے متاثر ہے۔ برخلاف اس کے
 لالہ گوہر کی زبان بہت صاف و سادہ ہے اور اس کے ساتھ طرزِ ادا
 اور طریقہ بیان بھی دکنی ہے اور ان کو باہم مقابلہ کرنے سے ثابت
 ہوتا ہے کہ دو مختلف شاعروں کا کلام ہے۔

۱۶۱۶

۱۶۱۶

ناسی جلد اول ص ۱۶۱ اسپرنگر ۱۹۹۹ اسٹوارٹ ص ۱۶۱
 لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص ۲۴

بھری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے
 والد کا نام بکر الدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے
 قصبہ گوگلی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا
 وہ اس قصبہ کے قریب اپنے وطن سے بجا پور چلے گئے تھے اور وہاں
 مسکن و محلہ عادل شاہ ان کا مستقر ہو گیا تھا ان کے دربار میں سال دو سال تک

اور جب بیجا پور کی سلطنت قائم ہوئی تب وہاں سے جو لوگ
چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں شونیات، غزلیات، رباعیات
اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار بیجا پور
کے قریب تھے۔ بیجا پور سے حیدر آباد آتے ہوئے راستہ میں بہمنوں
نے آپ کا مال و اسباب لوٹ لیا اس میں یہ ذخیرہ بھی تلف ہو گیا۔ قاضی صاحب
نے یہ واقعات عروس عرفان کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور اس کے
خاص الفاظ یہ ہیں۔

”سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجا پورست چندے صحبت با اتفاق
شدہ بود۔ پیش دے یک دو سال اقامتے پیدا شتم۔“

شونیات و غزلیات و رباعیات و قصائد وغیرہ در معارف زبان
دکنی و فارسی قریب بیجا پور ہزار بود۔ بعد انقضای حکومت بیجا پور میرزا بابا
میں قیمت را کہ سکندر عادل خاں بیجا پور میں جہت ندادہ بحیدر آباد
روانہ کردم در راہ قطع الطریق آن اسباب با تلف نمودند و ہمراہ نیز
ذخیرہ کلام ہم تلف شد۔“

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک شہسوار لکھی ہے جس کا نام شہسوار
ہے۔ یہ شہسوار اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات
سال پہلے ۱۰۱۷ھ میں تمام ہوئی ہے چنانچہ خاتمہ میں اسکی تاریخ کا اظہار
ذکر آیا ہے۔

ہجری ہتی ہی کنگ برستے بارا پور ایک سو سہسوار تھے

بعض مردوں کی فرمائش سے قاضی صاحب نے من لگن کے متعلق
فاسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفان رکھایا کتاب ۱۶۱
میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور غیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید
شاہ اسماعیل بن سید شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد
بن سید نور الحسن الباقری الوریگی نے نواب شہامت علی شاہ
کے ایسے اسکے تمام مشکل و غلط الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام
ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت من لگن
سے ماخوذ ہیں من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ سید
دستگاہ بنگلور ۱۳۱۵ء و ۱۳۱۶ء

این

ان کا نام شیخ محمد امین ہے اور اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں گزر
ہیں۔ انہوں نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو کہنی میں منظوم کیا ہے
یہ مثنوی ۱۷۱۵ء میں ختم ہوئی ہے ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے
اسکا جو نسخہ شامان اولوہ کے کتب خانے میں دیکھا ہے۔ اسکے پتھر میں
اوراق ہیں اور اسکی ابتدا حبذیل بیت سے ہوئی ہے
اول تعریف حسن خالق کی لمے یار کہ وے دونوں جہاں کا ہے کرن کا
اسپرنگر ص ۶۰

ولی دکنی

سیحہ فیاض انکا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مرآۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلوران کا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں گنہگار نہیں۔ دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہتا تھا۔ ولی عرصہ تک اسکی رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکل کر گڑھ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالحمید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدردانی کی اور ملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن بدم کے دیباچہ میں بیان کرے ہیں۔

حراست خاں امیر ایک نامو تھا	سکونت آگاہ او سکوں ساتھ گڑھ
اتھا او اہل درو دنیا اعمال	رفاقت میں تھا میرے کے خوشحال
قصا رواں سون وقتے بر خا	سو آیا میں طرف گڑھ کے دھڑا
نواب عبدالحمید ابن الحمید ایک	اتھا واں نامو صوبہ سعید ایک
سو او بحر شجا پر وانہ لکھ کر	بسک نوکراں میں منسلک کر
تقیں کر محکوم سدھوٹ کو روا	کیا او صاحب جیسے میں زمانہ
سو حسب الحکم میں سدھوٹ کو آنا	رنگارنگ واں تاشے پیہ پایا

ولی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصہ رتن بدم۔ اس کو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے۔ اس کے جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اسکے چار صفحہ تھے اور بہت

کم و بیش چار ہزار بیات تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔
 خدایا تو ہے پاک پروردگار زنگار و آتار و آچی اتار
 کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ
 اے دو مختلف مقام ہیں۔
 دلی تیرے کرم کی ہے مجھے اس کر اس آس سوں ہرگز تویرا

دلی ہے یو سب خالی بہانا اُسی کا کام ہے دینا دلانا
 (۲) روضۃ الشہداء۔ اس میں دلی نے واقعات کر بلا منظوم کئے ہیں
 ضخیم کتاب ہے اور اللہ میں تصنیف ہوئی ہے۔
 کیا ہوں جب ختم یورد کا کلا اگیارہ سو پوتہا انیسو سال
 ڈاکٹر ایتھ نے روضۃ الشہداء کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اس کے
 مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اول۔ ذکروفات جناب رسالت تاب صلعم
 مجلس دوم۔ ذکروفات سیدۃ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام
 مجلس سوم۔ ذکروفات حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
 مجلس چہارم۔ ذکروفات حضرت امام حسن علیہ السلام
 مجلس پنجم۔ ذکروفات حضرت امام حسین علیہ السلام
 مجلس ششم۔ ذکروفات فرزندان حضرت مسلم
 مجلس ہفتم۔ ذکروفات حضرت امام حسین از کربلا سے کربلا۔

مجلس ششم - ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہداء علیہ السلام
 مجلس ہفتم - ذکر شہادت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام
 مجلس و ہفتم - بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام
 ان کے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جس کے پچیس بند ہیں اور
 ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کر کے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں
 یا الہی توں بحق مصطفیٰ ہو در کفے فاطمہ خاتون جنت ہو رشاد کر بلا
 عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری یا صاحب عرش بریں منجہ حال پرا جا کرو

یا الہی زہد و تقویٰ میں ہوا منجہ دسویں کچھ عبادت ہو ریاض میں ہوا منجہ ذات سو
 سرسبز ہوں منفصل اس کا نام ہو ریاض سو یا عفور المجر میں منجہ حال پرا جا کرو

یا الہی از طفیل انبیاء ہو را اولیاء غوث اور اقطاب میں جتنے جہاں کے صفیا
 آبرو رکھ دو جہاں میں تیج ولی کی التجا ہے او بندہ کمر میں منجہ حال پرا جا کرو

اسپرنگ ۱۹۴۱ء ۱۴۲ھ نمبر ۱۶ دیناچہ مرآۃ الجنان ص ۳

روضۃ الشہداء بھی میں ۱۹۴۱ء ص ۱۶ میں چھپ گئی ہے۔

وجدی

شیخ وجہ الدین نام ہے کر نول کے باشندے تھے صوفیانہ مشرب تھا
دکنی میں کئی شویاں لکھی ہیں۔

(۱) شوی باغ جانفزا۔ یہ شوی ایک ضخیم شوی ہے اور اللہ
میں تصنیف ہوئی ہے اور مصنف نے باغ جانفزا سے اس کی تائخ نکالی ہے۔
یوہے بیان خاتمہ جی شکر بولیا ہوں۔ تائخ جسکے ختم کا آیا ہے۔ باغ جانفزا
دیباچہ میں وجدی نے وجہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے کہ وہ

ایک مرتبہ اپنے وطن سے فتح آباد و تارور میں آئے اور اپنے ایک دوست
عبدالقدوس کے یہاں مقیم ہوئے۔ عبدالقدوس ایک صوفی سن آدی تھے
اور انکے مرشد شاہ صادق بھی اسی زمانہ میں بنے یہاں آئے ہوئے تھے
شاہ صاحب نے بسبیل تذکرہ ایک دلچسپ فائدہ کا ذکر کیا اور وجدی سے

نظم دلتی میں ترجمہ کنسے فرمائش کی کچھ عرصہ کے بعد شاہ صاحب
و باکرہ واد سے اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں سے اس قصہ کو
وجدی سے پاس روانہ کیا۔ یہ قصہ نظم فارسی میں تھا لیکن اس میں مصنف
کا نام تھا نہ کتاب کے نام کا بہتہ چلتا تھا۔

(۲) منجھی باچھا۔ شیخ فرید الدین عطار کی شوی منطق الطیر کا
ترجمہ ہے چنانچہ اس کو خاتمہ میرا سطح بیان کیا ہے۔

اصل میں یوہا کلام فارسی اہل معنی کو مشال آ رہی

خوشتر تصنیف شیخ نامدار
 شیخ صاحب دل فرید نامور
 تہا و لے جوں فارسی ہوں کلام
 گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی ٹنکا
 لیکن اسکے دیکھ کر دلچسپ ہوں
 جو موافق فہم اپنے کے ضعیف
 قصہ کر دکنی زبان میں لیکے آوں
 پشورائے عارفان روزگار
 خاص جگہ ہے لقب عطار کا
 کم سمجھ سکتے تھے اس کی خاص مقام
 کاں مجھے اس کے سمجھنے کا فیاں
 ایک بیکاریوں دل سے آیا کول
 اس کتاب خاص کا نظم شریف
 تاسی ہے دنیا سے میل ہی ناوں
 بروفسر ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ^{۲۲} لکھ میں اقسام کو بھی ہے
 بیلیو تھیک و رمارگن لیا پڈش گیشٹل شافٹ میں اسکا جو نسخہ
 ہے اس سے ^{۲۳} لکھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جس قدر
 قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ^{۲۴} لکھ میں تصنیف
 ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حساب ملتا ہے۔
 جب کیا تاریخ کا دل میں چٹا
 (۳) شہنوی تحفہ عاشقان
 گل و ہرمن کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و قل بھی کہلاتی ہے۔
 قصار ادیاں مجھوں یک بار کا
 ہوا شوق پیدا میچے عدازا
 یہ شہنوی ^{۲۵} لکھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اسکی تاریخ اس طرح مذکور ہے۔
 دسے اسکی تاریخ مجھوں عیاں
 چکھانو لے تحفہ عاشقان

اس شہنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔
کروں پاک دل ہو زباں پاک توں تنہا پاک اس عاشق پاک کوں

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۱۲۵ فہرست کتب خانہ جرمن اور ٹیل نوٹس جلد سوم
۱۱۱ العصر جلد اول نمبر صفحہ ۲۱

پنجوی باچا مہی اور مدراس میں کئی بار چھاپا ہے مہی ۱۲۱۹ء لکھنؤ
۱۲۱۹ء لکھنؤ مہی کے نسخے اصلاح شدہ اور کئی تخریریں کم ہیں مدراس
کا ۱۲۱۹ء کا چھاپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے

آزاد

فقیر اللہ نام ہے۔ حیدر آباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے
ہمراہ دہلی گئے تھے۔ گولی اور رنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے ان کی
غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سنیا ہوں یہ مصرعہ مناجات

جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں

پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر ص ۱۱۱ میر حسن ص ۱۱۱ گل رعنا ص ۱۱۱

شہرے اورنگ آباد

اورنگ آباد - دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کہہ کر اس کا نام تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۵۷ء) کیساتھ جب ملک عینہر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عینہر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اسکی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہو گئی۔ نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالاپٹل پرتھوی کا قبضہ ہو گیا تو یہ مقام بھی ان کے قبضہ میں آ گیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کہہ کر اس کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اس کا نام اورنگ آباد رکھا۔ اس کے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغولیہ کا مرکز حکومت بنا رہا۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امراء اور علماء و مشائخین جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بجا پور و گولکنڈ کے سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہو کر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو شاہی کا

مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اردو گو شعرا پیدا ہوئے
 جنہیں حالات سید عبدالولی شہزاد کی بیان لکھی نارائن شفیق
 کے خستہ شہرا۔ میر بہار الدین عروج کے بہار و خستہ
 اور محمد افضل قاضی کے تحفۃ الشعراء میں تحریریں اور ان سے
 اخذ کر کے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے
 لیکن ہم نے بنظر اختصار صرف ان شعرا کا حال درج کیا ہے جنہوں نے
 غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولی (اورنگ آباد)

ولی کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف
 کیا ہے۔ میر حسن دہلوی۔ مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نسخ
 نے انکا نام ولی اللہ لکھا ہے۔ نواب علی براہیم خاں اور یوسف علی
 مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد
 نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لکھی نارائن
 شفیق اور فتح علی گرویزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے۔ نواب
 علی براہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفیٰ خاں شفیق
 فتح علی گرویزی اور قیام الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ
 بیان کیا ہے میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم عبد الغفور خاں
 نسخ اور مولانا آزاد نے شہزاد کوان کا وطن بقرار دیا ہے

اور اس کے ثبوت میں براہیم سیانی نے ولی کا حب فیل شعر پیش کیا
ولی ایران و توران میں مشہور وطن گوا سکا گجرات و دکن

لیکن حقیقت میں یہ شعر اسطرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توران میں مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے
لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد
ان کا وطن ہے۔ اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی
ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

”مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است“

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نساج
اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی
اولاد سے ہیں لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے۔ برصغیر
اس کے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر
شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی۔ وہاں سے
سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے
واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے۔ لوگوں نے نیلی گنبد میں فرمایا
کی گنبد کے قریب مدفون کیا۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی
کا بھی سفر کیا تھا۔ لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اس میں اختلاف ہے
مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں

لیکن ان کے یہاں اسکی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی کا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی - نواب علی گڑھ برہم خاں - یوسف علی مرشد آبادی مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں ک نسلخ نے اسکو نہایت وثوق کیا ہے لکھا ہے

میر تقی میر کا بیان ہے کہ

”در شاہ جہاں آباد دہلی نیز آمدہ بود و خدمت میاں گلشن رفت و از اشعار خود پارہ خواند۔ میاں صاحب ہندوستان ہمدردان فارسی کہ بیکار افتادہ اند و بیخفتہ بکار بسر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت“

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولی اس زمانہ میں دہلی آئے ہیں جبکہ شاہ گلشن دہلی موجود تھے سنہ ۱۰۹۳ھ میں اپنا تذکرہ لکھا ہے اس کے مرتب ہونے سے تین چار سال پہلے ۱۰۸۹ھ کا سنہ کے قریب شاہ گلشن دہلی میں وارد ہوئے اور اس اعتبار سے ولی کے دہلی میں آنے کا زمانہ ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ کے بعد قرار پاتا ہے۔ لیکن ولی کا سنہ وفات فرسنگ آصفیہ میں ۱۰۸۹ھ اور تذکرہ سحر میں ۱۰۸۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قطعی نسخہ دیکھا ہے جو ہرجادی الاول ۱۰۸۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر تحریر ہے ”تمام شد دیوانی رحمۃ اللہ علیہ“ اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے ۱۰۸۳ھ کے پہلے

وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہو گیا ہے۔ اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جس میں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں ہندو مت اور خمس، ترجع ہند اور دو تیس چھوٹی چھوٹی تنوایاں ہیں۔ پروفیسر ٹاسی نے دیوان کو ۱۹۴۷ء میں بنگالہ میں بنگالہ میں نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اسکے بعد ۱۹۷۸ء میں بنگالہ میں بنگالہ میں نشی نو لکسٹور میں چھپا۔ قریب قریب ایسی زبانہ میں اس کا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شائع ہوا لیکن یہ ایڈیشن اس وقت کیاب میں حال میں ایراسیم سائیانی نے جو دکن کالج بونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شائع کیا ہے اور اس کی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں ولی کے حالات اور اس کی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔ تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہداء کو ولی اور نگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ولی دکنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر کر دیا ہے۔

۹۴

ٹاسی جلد سوم ص ۲۸۱ تذکرہ ویسلف علی نرشد آبادی (اسیر غرضتہ ۲ میر تقی میر ص ۲۰) سخن شعرا ص ۵۹۵ گلشن ہند ص ۱۷۰ گلشن بیار ص ۲۳ گلستان ہنزاں ص ۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن ص ۱۱۲ گل رعنا ص ۸۲ آب حیات ص ۲۵۵ چستان شعرا نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ اصفیہ۔

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولی کے مخلص
۶۸۰ سالہ میں انتقال کیا ہے۔ لکھمی نارائن شفیق نے اپنے حالات اپنے
تذکرہ میں اپنے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور
وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گورنمنٹ میرزا داؤد فانی از جہان
انکا ایک چوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جس میں کم و بیش پانچ سو
اشعار ہیں جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں۔
اس صنم کے خیال بروئے آنا توں تجکو جوں ہلال کیا

مرزا احوال چشم یار سے پوچھ حقیقت درد کی ہمارے پوچھ

چاندنی کی سیر کو کس طرح نظر نہم دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب تہا نہیں

میر تقی ص ۱۱۱ سخن شعرا ص ۱۵۵ گل رعنا ص ۹۴ تذکرہ شعراء دکن ص ۲۲۹

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے شاہجین سے ^{۱۶۷۷}میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرہ اہل اہل اورنگ نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اسکا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جن میں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، خمس، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوشان خیال کے نام سے ایک شہو بھی لکھی ہے جو ^{۱۷۳۱}لکھی میں تمام ہوئی ہے اسکے علاوہ اپنے دو اوین کا ایک انتخاب ^{۱۷۳۱}لکھی میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو انہی عمر ۲۲ سال کی تھی اور اس باب سے ^{۱۷۳۱}لکھی ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اسطرح بیان کیا ہے۔

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سال ہجری تھے ہزار و یکصد چاہ ایک واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
اے سراج اے منتخب لوگے سب رنختے خامہ شرکان جو باسین ہن قاصد کے
میر تقی میر تقی ^{۱۷۳۱}لکھی رعا صوفی سخن سوار ^{۱۷۳۱}لکھی تذکرہ
شوائع دکن ^{۱۷۳۱}لکھی۔ ان العصر جلد اول نمبر ۳۳

دہلی میں زبان اردو

اردو زبان دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کر لی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں باہمیوں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جامی ملا نوری اور شیخ سعدی وغیرہ نے اگرچہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھنی فارسی اور آدھنی اردو میں ہیں لیکن یہ بات قاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی۔ اسلئے اُسے ہم اردو شاعری کا نگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہاں بادشاہ (شاہ جہان) کا عہد اردو کے لئے مساب تھا۔ اس عہد میں اردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جن زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسرِ کار تھے تو شاہ جہان نے ایک شفق شجاع کو لکھا۔ یہ شفق کسی طرح اورنگ زیب

۱۔ مولانا جامی۔ شاہ جہان کے معاصر ہے۔ ۱۵۶۲ء میں فوت ہوئے۔ دہلی میں لکھا ہوا ہے۔
۲۔ ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے۔ اگر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا نقی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو اردو اور آدھنی فارسی ہے۔
۳۔ میر حسن کہ خیانت کند الہیہ ترسد۔ بیچارہ نوری نہ کرے جہنم ڈرے ہے۔
۴۔ شیخ سعدی۔ ان کے لئے صفحہ اول ملاحظہ کیجئے۔

کو ملگیا اور اسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں
ایک عرضیہ ارسال کیا جس میں لکھا ہے۔

”اے فرمان عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقی فرمودہ شاہد

ابں معانی است لے

عالمگیر اورنگ زیب (۱۶۵۷ء) کے رقصات فارسی میں
ہیں لیکن ان میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

”ارسال ڈالی نیم بہ تلافی ثانات کو شند“

”دریں ضمن کریمی کچکرہ نیز بہ نظر گذشت“

”مژہ کچھڑی بریانی شاد درستان یاد می آید“

”چار گھڑی روزماندہ باز دیوان عام می فرمودند“

”شادیا نہ فتح یوز ازند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دہو دیون“

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی سلطنت کا
ذوق فارسی میں تھا تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی
تھی۔ باوجود اسکے شاہ جہان کا اردو میں شوق لکھنا اور عالمگیر کے اپنے
رقصات میں اردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل کہتے کہ
اردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہو گئی تھی۔ بازار سے
شاہی محلات تک خاص و عام اسکو بولتے اور سمجھتے تھے۔

قریب قریب اسی زمانے میں اہل ہندوستان کو اردو
لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا اٹا عبد الواسع نے

نے (جنکی قواعد فارسی اور گلتاں بوتیاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اردو و ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی لکھے۔ ایک عرصہ کے بعد سراج الدین عین خان آرزو السوفی نے اس کی نظر ثانی کی۔ بہتکے الفاظ اور معنی اضافہ کئے۔ غلطیاں درست کیں اور اسے قواعد اور الفاظ کے نام سے موسوم کیا۔

عالمگیر کے زمانہ سے دہلی میں اردو شعر گوئی نے رواج پایا اور اس عرصہ سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت مرزا عبدالقادر بدیل۔ مرزا عبدالغنی قبول وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تقنی طبع کے لئے اردو

۱۔ ریو جلد دوم ص ۵۰ جلد سوم ص ۹۹ و ص ۱۰۱ و ص ۱۰۲
۲۔ میرزا مغل الدین محمد موسوی خان فطرت۔ مشہد مقدس انکا وطن ہے ۸۲۰ھ میں ولایت سے متبرک و تھان میں آئے۔ عالمگیر کے امرا میں انکا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں سن ۱۱۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ مائرا آلا مرزا جلد سوم ص ۹۳ خزائن عامرہ ص ۲۹
۳۔ سر و آزاد ص ۱۲۔ نتائج الافکار ص ۳۹
۴۔ میرزا عبدالقادر بدیل۔ عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے سن ۱۱۰۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سر و آزاد ص ۱۲ نتائج الافکار ص ۵۰)
میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں کچھ دو شعر نقل کیے ہیں۔
میت پوچھ دل کی باتیں دل کہا ہر دم اس خمر نے شاکر کا حال کہا ہر دم ہمیں
جب دل کے آئیناں پر عشق انکس کا راز پروئے کسے یار بولا بدیل کہاں ہمیں
۵۔ میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا جواکے شاگرد ہیں سن ۱۱۰۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سر و آزاد ص ۱۹) ناسخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔
دل بون خیال زلفیں پر تیرا ہر غور دن تار کیش میر جیسے کرے پاسبان سپر

میں بھی دوچار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہ ہی کیفیت رہی
محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دو سو سال سالانہ میں کی
کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اسکی خوب قدر کی۔ اس
قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب توجہ ہو گئے
اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پائے تخت میں شعراء اے اردو
کا گروہ کثیر پیدا ہو گیا۔ بنگلہ کے جن شعراء شہرت حاصل کی ہے ان کی

تفصیل یہ ہے۔
شاہ شمسہ مبارک آبرو۔ ان کا نام نجم الدین ہے شیخ محمد غوث گوارا
کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بھام شاہ جہان آباد
ان کا انتقال ہوا ہے۔

شیخ شرف الدین مضمون۔ اگرہ کے علاقہ میں بمقام باج مواعی
ولادت ہوئی ہے۔ زمانہ شباب میں آ کر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے
زینت الساجد میں رہا کرتے تھے شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے
ہیں۔

محمد شاکر ناجی۔ شاہ جہان آباد کے باشندے اور نواب عہدہ
محمد امیر جا کے متول تھے۔ شاہ مبارک آبرو کے معاصرین۔ ان کا انتقال بھی
ہوا ہے۔

۱۔ رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص ۱
۲۔ میر تقی ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹
۳۔ میر تقی ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹
۴۔ میر تقی ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹ گلشن ہند ص ۱۱۹

مصطفیٰ قلی خان بکریگ - شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا
خان جہاں خاں لودھی کے پیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری
مضبدار تھے۔ دہلی میں لگا انتقال ہوا ہے۔

شیخ ظہیر الدین خاتم شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا۔ عمدہ الملائک
نواب میر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے استاد تھے ان کے دو دیوانے
ہیں ایک قیام اور دوسرا جدید زبان میں ۹۶ھ میں بمقام دہلی لگا انتقال
ہوا ہے۔

اشرف علی خاں فہاں - احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا
علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے۔ احمد شاہ درانی کی فوج کشی کے بعد
دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت
اختیار کر لی ۱۰۸ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا ہے۔

یہ شعرا و راویں کے تھے اس کے بعد دوشانی شروع ہوا ہے۔ اس

دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (۱۰۹ھ) مرزا سودا (۱۱۰ھ)
میر تقی میر (۱۱۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹ھ) میر سوز (۱۲۱ھ) قیام الدین قاسم
(۱۲۱ھ) انعام اللہ خاں یقین احسن اللہ خاں بنیان (۱۲۳ھ) وغیرہ
نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے۔

۱۔ میر تقی میر ۱۱۵ھ گلشن ہند ۱۹۵ھ گلشن بخارا ۲۲۲ھ سخن شعرا ۲۵۰ھ

۲۔ میر تقی میر ۱۱۵ھ گلشن ہند ۱۹۵ھ سخن شعرا ۲۲۲ھ

۳۔ میر تقی میر ۱۱۵ھ گلشن ہند ۱۹۵ھ سخن شعرا ۲۲۲ھ

نثر اردو

۳۲۰ ہوں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس سال پہلے
 وکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ عین الدین
 گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے کے خواجہ بندہ نواز حضرت
 سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین
 نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب ۱۸ویں صدی کے درسیاتی زبان
 پر تصنیف ہوئے ہیں اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت
 ہوتی ہے۔

شیخ عین الدین کے رسالے نہ ہی احکام و مسائل کے
 متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری
 میں موجود تھا۔

مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے نے معراج العاشقین تصنیف
 کی سوجہ اور اس پر ایک فاضلانہ ویباچہ بھی لکھا ہے۔ یہ کتابانی

۱۔ مضمون نذر ۱۳۳۴

۲۔ مضمون نذر ۱۳۳۴

۳۔ مضمون نذر ۱۳۳۴

۴۔ کتابہ جاح العاشقین محمد ویباچہ تاج پریس میں چھپا ہے اور تاج کے اسی نمبر میں شائع ہوگا۔

نہیں ہے بلکہ تصوف کی کتاب ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا
تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے۔

شاہ میران جی شمس العشاق بجا پور کے اولیائے کبار میں
آج خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب
شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی شیخ
جمال الدین۔ خواجہ بندہ نواز کے خلفائے تھے مرزا قاضی الد
خاکسار المعروف بابا بجنجل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد ہوگا
اور دکن کے امیر خسرو تھے۔ آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں
حضرت میران جی نے نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں اور
اون میں تصوف کے اسرار و نکات بیان کئے ہیں۔ مہجد ان کے
دور رسالے مہینے بھی دیکھے ہیں ایک کا نام حل ترنگ اور دوسرا
گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے
ان میں تصوف کے بعض دقیق سائل تمثیل کے پرائے میں لبا کئے ہیں۔
سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۵۸۳ء) کے زمانے میں
ایک بزرگ مولانا وجہی گزرے ہیں۔ انکی سکونت گوکنڈہ میں تھی اور
شاہی دربار سے بھی تعلق تھا اسلئے میں انہوں نے ایک کتابت میں
کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے اسکی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفی
ہے اور معلوم آیا ہوتا ہے کہ مولانا وجہی نے اسکے لکھنے میں ملاطفت و محبت

کی سہ نشتر کی تتبع کیے۔ جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھے گئے ہیں۔

سب رس کی بنیاد ایک فارسی کتاب پر رکھی گئی ہے۔ جو مول کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا افسانہ ہے۔ اسکے ضمن میں مولانا وجہی نے اخلاق و تصوف اور بند و معصیت کے بہت نکات بیان کئے ہیں۔ جسکے باعث یہ ایک ضخیم کتاب ہو گئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اس میں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے۔ یہ مضمون اکٹوبر ۱۹۲۲ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شائع ہوا ہے۔

حسن و دل کے افسانہ کو ذوقی اور مجرئی نے اردو میں منظم کیا ہے۔ یہ دونوں شاعر کہنی ہیں اور مولانا وجہی کے بعد گئے ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ نے انکی نسبت بھی ایک مضمون لکھا جو جولائی ۱۹۲۲ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شائع ہو گا۔

شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ جو نظام الدین اولیاء کے خلفائے عظام سے ہیں۔ آپ اپنے شاگرد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ صفر ۷۲۲ھ کو انتقال فرمایا۔

آپ کے مریدوں میں شیخ کریم الدین بن عماد کا شانی ایک مشہور مصنف گزرتے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اس کا نام نفائس الانفاس رکھا ہے اسکے علاوہ ایک ضخیم کتاب شامل الاقیاء و دلائل الاقیاء کے نام سے لکھی ہے اسکے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے۔

۱۔ ملکہ کے بعد یا سلطنت قطب شاہی کے انقرض (۹۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک کہنی بزرگ میران نقیوب نے اسکا ترجمہ زبان و کہنی میں کیا ہے یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

۲۔ مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم - طریقت کے لوگوں کے افعال، ہورسا لکوں کے مقامات، ہورسا لکوں کے مطالب، ہورسا لکوں کے عجائبات، ہورسا لکوں کی شریعت میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا قسم - حقیقت کے لوگوں یعنی پیغمبروں، ہورسا لکوں کی بیان میں۔

۳۔ شامل الاقیاء کے لئے دیکھئے ایضاً نمبر (۱۸۳۶)

۴۔ یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن لغتوں کے نمبر (۶۶۳) پر موجود ہے۔ ۱۲

تیسرا قسم - خدا کے پانچ وجود، ہر ذات کی چگونگی کا، ہر راز، ہر
ابدالہ باد کے بیان کا، ہر امر، ہر حکم، ہر قضا، ہر قدر کے نازکیاں
کا ہر لمحہ کے جنس جنس کے لوازمات کا بیان۔

چوتھا قسم - ہمت، آدم کی پیدائش کا، ہر صفات کا، ہر دنیا کے
بیڑیاں کا، ہر گنہگار بندگان امیدواران ہر راز کے میں خدا کے
حنایات کا بیان۔

رے چور میں جہان نام عالم گئے فیروز نگر کہا ہے ایک خانہ
نور وریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ شاہ
محمد قادریؒ۔ بلحاظ پور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰؒ
مستوفی ہند کے تالیف تھے عالم گئے کے زمانے میں گزے ہیں آپ نے
زبانِ دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے مسائل
بیان کئے ہیں منجملہ اس کے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دور رسالے دیکھے
ہیں جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔
قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام
تصنیف راجوٹی میں گزے ہیں۔ آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل
رحید کی نسبت لکھا ہے اور اس کا نام اسرار التوحید رکھا ہے۔

۱۔ ماثرا عالم گئے ص ۱۲۳

۲۔ تذکرہ اولیائے راجپوت ص ۱۲۳

۳۔ شیخ امین الدین اعلیٰ کے حالات کے دیکھے مضمون ہذا ص ۱۲۳

۴۔ یہ رسالہ میر تاج کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ۱۲

یہ مختصر گزشت ہے ان تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارہویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ان تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارہویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں نسبت عہد سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں اور باقی جتنی ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں شرنوسی کی ابتدا بارہویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضل کی وہ مجلس ہے۔ یہ کتاب ۱۱۸۵ھ میں مکمل ہوئی ہے اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین جتین نے نو طرز جمع لکھی۔ یہ سب اردو کی ابتدائی کتابیں ہیں۔

انہیں اہم میں کلکتہ میں فی رٹ ولیم کالج قائم ہوا اور انگریزوں کو اردو سکھانے کے لئے ڈاکٹر جان گل گرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں اسکے بعد شرنوسی کو رواج عام حاصل ہو گیا۔

۱۱۸۵ھ آجیات سال
۱۱۸۵ھ گلشن ہند ۱۱۸۵ھ
۱۱۸۵ھ تذکرہ خوشنویسان ۱۱۸۵ھ کتاب جماع الدولہ ہمدانی ۱۱۸۵ھ تذکرہ ۱۱۸۵ھ
۱۱۸۵ھ خورشید و لیم کاظمی ڈاکٹر گل گرسٹ کی فرمائش سے نثر اردو میں جتنی تصنیفات ہوئی ہیں ان میں سے بعض کی کاپیاں
کیفیت مضامین اذیل میں کیجئے۔ ریاض گلشن ہند نوشتہ مولوی عبدالحق صاحب بی ۱۱۸۵ھ تا ۱۱۸۵ھ
۱۱۸۵ھ اردو زبان اور اہل یورپ نوشتہ مولوی عبدالحق بی ۱۱۸۵ھ ہمدانی سال ۱۱۸۵ھ تا ۱۱۸۵ھ
جولائی ۱۱۸۵ھ تا ۱۱۸۵ھ

ضمیمہ اول

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۰۲)

اردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرتے ہیں تذکرہ نویسوں نے ان کے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں۔

گفتا درائے باورے اس ملک کی یہ تبت	تشفہ جو دیدم بر رخس گفتم کہ یہ کیا ریت
ہے ہے فی پرسد کے پردیسا ماریت	لے مرواں شکر شا۔ کتنی بڑی یہ ریت
ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی پہلی ریت ہے	ہمنا متن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا
پیش بگ کویت دہر و دیاسا نہ بگیت	دوین کی کھٹکھٹوں رو رو بخون دل ک لیا
در ریختہ در ریختہ تم سوچے ہم گیت	سعدی طرح آئینہ شیر و شکر آئینہ

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے چنانچہ قائم جا ندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

” اتفاقاً بعضے ان موضوعین بیان کرتے ہیں کہ چون حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ نے درہنگام سیر ریاحت بلفجرات تشریف آوردند و مجاورت سو منات چاکر در نئے بوستان خوش ایامے برآں فرمودہ اند کہ دند و لختے بر زبانیں دیار و قوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازین مرقوم خواہد شد بسبب تغنن بقصد نظم آوردن بعد از ان حضرت امیر خسرو بر سر بنی بنا بطرح و لغز کئے بسیار بکار بردند۔ اور بعد سلیقہ سخن یعنی اس وقت دوران فصاحت ریختہ گو یاں حال است و از عبارات ریختہ فرمودہ مال۔ لیکن باس طبعیت مشتاقان جنس سخن دو گونہ چہار بیت از ان ابیات برگزیدہ و تمنا دریں مقام نقلی میگردد و از انرا در احوال اس مرد بزرگ و ارفع نوید کہ مورخ سلف در کتب تاریخ متداول ضبط نموده اند و انظر من الشیخ و ابن من الاساست“

بعض تکراریوں کی رائے میں سعدی تخت گو سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی کا بیان ہے۔

”سعدی کہنی انجہ یعنی اس را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا“
میر تقی علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

”سعدی کہنی از شعرائے قرار دادہ دکن است و اگر بعضے آغز را ببیان تمام تخلص بخاطر افتادہ ریختہ نامے سعدی و کہنی را از عدم اعتقاد قلمت بقیم بنام

سعدی شیرازی مرقوم ساتھ انداشی از جہل و تسلف است“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انہیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے۔ لیکن ان کا انتقال ہوا ہے۔ ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے۔

”بنجھا و رختاں نے لکھا ہے کہ۔“

”طبع موزوں داشتے و زبان فارسی و ہندی شعری سے نیکو گفتے“

ملا عبد القادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

”از شیخ نظام است خلافت از پدر بزرگ دار خویش شیخ محمد غفرم داشت یح محمد

شرع فارسی بر شاہیہ نوشتہ قریب ہفتاد و جزو۔ و خلف سعدی شیخ سعدی

صاحب وجہ و حال قریب بود و ظاہر و باطن صفا داشت و دائم منسلط و شاعر بود

و خوش وقت و آثار از سبے سبک از احباب در زمانہ شہنشاہ و کرامت نوشتہ بود۔“

دیدہ سعدی و دل بہرہ گشت تمانہ پنداری کہ تنہا میری

و فائز در دست شہنشاہی و الف بود“

ضمیمہ دوم

طوطی نامہ

متعلقہ صفحہ ۶۰ و ۵۶

شکاستی نام سنکرت میں ایک کتاب ہے جس کے معنی میں ”طوطے کی کچی“
 سرکہانیاں ”مولانا ضیاء الدین بخشیشی نے ان سرکہانیوں سے باور کیا اور
 انتخاب کر کے فارسی میں ان کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ شکستہ میں تمام ہوا۔
 اس کی زبان چونکہ نہایت مشکل و متعلقی تھی اس لئے فارسی میں اس کے متعدد خلاصے
 لکھے گئے علاوہ ان میں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ
 اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا بخشیشی کی کتاب کے حوالے

- (۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سیر و آسان فارسی میں اس کا
 خلاصہ کیا۔
- (۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا بخشیشی کی باون حکایات پر پندرہ جلدی کتاب

لکھی یہ خلاصہ ہے چنانکہ ایک مضمون کا جو رسالہ عزیزان یا جہولانی مسئلہ میں طوطا اکبرانی کے عنوان پر
 شائع ہوا اور میں ہم نے طوطی نامہ کی اہمیت اور اس کے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔
 مولانا ضیاء الدین بخشیشی بہت بڑے عالم اور فارسی کے طے پایہ مصنف گذرے ہیں ان کے
 کے رہنے والے تھے۔ ان کے میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ مسکات الملوک، تحفہ صوفیہ، کاف
 و جزئیات، انکی مشہور و نام تصنیفات ہیں شیخ عبدالحق میرٹھی نے انکی انجمن الاخیار میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

انتخاب کر کے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا نایاب ہے دوسرا ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور سنہ ۱۸۰۶ء میں لندن میں چھاپا ہے اسکے بعد ایٹلی سے اسکے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر طلبا ہے

مولانا نجف پاشا کی کتاب کے تراجم شیخ عبد اللہ (۱) ترکی زبان میں بعد سلطان سلیمان انخلف ۱۵۶۷ء میں شیخ عبد اللہ صاری نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۵۶۷ء میں بولاق میں اور سنہ ۱۸۰۱ء میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ جارج راسین George Rosen نے اس ترکی ترجمہ کو جو مین میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۵۶۷ء میں لیسنگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔ (۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو سنہ ۱۵۶۷ء میں تمام ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ مولوی عبدالحی صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔ (۲) ترجمہ ابن نشاطی نے سنہ ۱۵۶۷ء میں کیا ہے۔

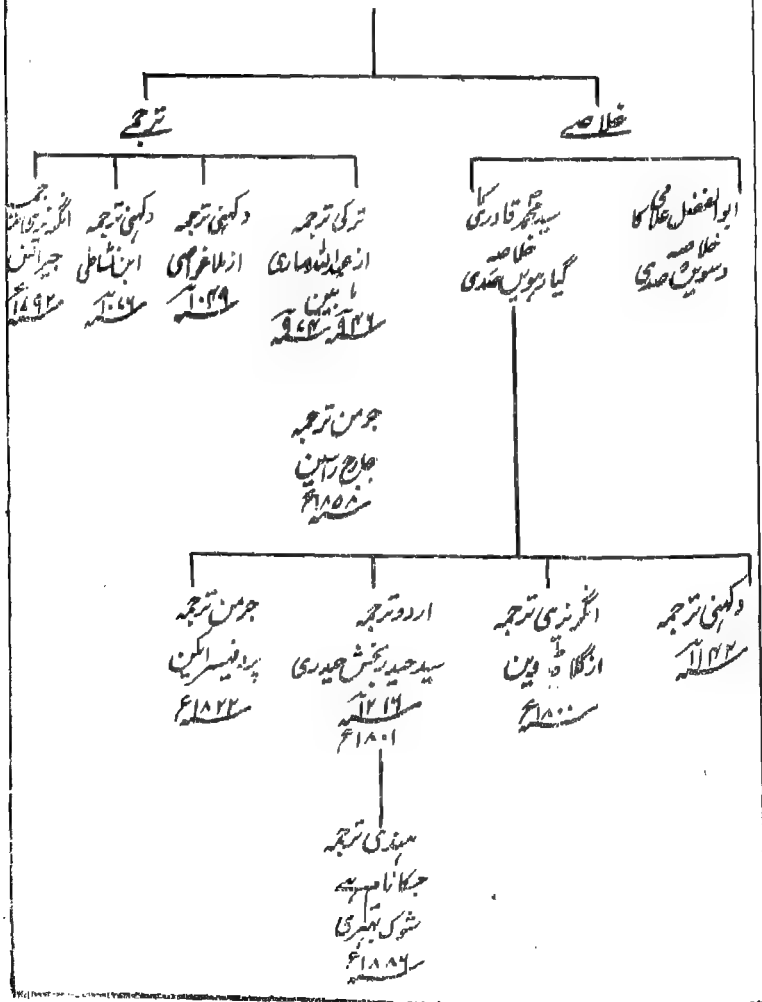
(۳) انگریزی میں جرائن Gairans نے ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۵۶۷ء میں لندن میں چھاپا ہے

ملا سید محمد قادر علی کی کتاب کے تراجم (۱) دکنی میں سنہ ۱۵۶۷ء میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں اسکا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ لکھنؤ میں موجود ہے (۲) اردو میں سید محمد بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربن کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے۔ ہندوستان میں اسکے بیشمار ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر طلبا (۳) انگریزی میں گلاڈ وین Gladwin نے ترجمہ کیا جو فارسی میں سنہ ۱۵۶۷ء میں کلکتہ میں چھاپا ہے

(۴) جرمن میں پروفسر ایکن Iken نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۵۶۷ء میں ٹاگرٹ میں طبع ہوا ہے (۵) روس میں ایتم ۱۸۲۳-۱۸۲۴ء - رینر جلاہل نمبر ۴۳

طوطی نامے کے حکا اور ترجمے

منسکرت (اصل)



ضمیمہ دوم
حسن و دل

2/10/20

1948

10950

حسن و دل فارسی لطیف چکا ایک شہر تھیں جس کا نام ہے اور اس کو نظم و شعر میں
مصنف نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) مولانا قاضی - ان کا نام محمد بن سید کا ہے سلطان شاہ فرخ مرزا
 کے زمانے میں گئے ہیں ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے
 کئی تخلص تھے۔ قاضی قاضی۔ اسرار۔ بخاری۔ لیکن ان میں قاضی زیادہ مشہور
 حسن و دل اور شبستان خیال اور شہرہ یوسفیات میں حسن و دل شریح
 اور زمانہ بابعد کے مصنفین نے اس کا اپنا نقش قرار دیا ہے۔

(۲) مولانا صوفی - نام صلاح الدین چغتیا وہ کے رہنے والے اور ملا نظام الدین کے شاگرد تھے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت بے ہندوستان میں آئے اور کچھ عرصہ ملا نظام الدین کے ساتھ گجرات میں بسر کیا پھر مدنی کیساتھ دکن چلے گئے اور میران کا انتقال ہوا حسن و دل کو انہوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ کتاب موثر اور زوردار مثنوی ہے۔

طبعات اکبری سنہ ۱۰۵۰ ہجری بمطابق ۱۶۴۰ء آئندہ ۲۲۲

(۳) بخود ملا جامی ان کا لقب ہے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ عالمگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں گز رہے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں نامدار خاں خطاب عنایت کیا تھا۔ تاریخ خوب کہا کرتے تھے کہ میں ان کا انتقال ہوا ہے حسن و دل انہوں نے ہی

نظم کیا ہے نہایت اچھی شوقی ہے اور ابتدا اسکی مصرعہ ذیل سے ہوئی ہے۔
 ”الہی بیستان بزم نیاز“ سرخوش نے کلمات الشعرا میں انہی حالات
 لکھے ہیں۔

(۴) خواجہ محمد مندل۔ یہ بزرگ شیخ عبداللہ اور مندل کے علاوہ ہیں
 اور اورنگ زیب تھا لکھنؤ کے چوبیس گز سے ہیں۔ انہوں نے حسن و دل
 کو نثر فارسی میں لکھا ہے ”داغ دل بند“ سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔ ابتدا اسکی
 پہلی سطر یہ ہے ”گوہر بحر حوثنا و جواہر سعدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ شہر حسن و دل
 ڈاکٹر نور کمانے مولانا فاضل کے حسن و دل کو جزین میں ترجمہ کیا ہے
 اور اسے فارسی میں شمس کے ساتھ چھپوایا ہے۔

Sitzungsberichte der Wiener

Akademie Vol 118 No 14, Vienna 1899

Neupersische Literatur G. I. Ph.

Vol. II, PP 534.

٢٩١٥٢٣,٩

DUE DATE

٢٢٨ ٨١

1107 # 491505.9
(22)
34881

Date	No.	Date	No.